ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۱ر جون ۱۹۹۳ء

☆ عالمی خلافت کی علمبردار "حزب التحریر" —— ایک وضاحت

☆ پاکستان کے بحران کو صیہونی سازش کے تناظر میں دیکھئے

☆ بھارت کی نصابی کتب میں مسلم دشمنی کا زہر

قرب قیامت کی علامات کے بارے میں احادیث نبویہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے ان سے ذہن میں آنے والے واقعات و حالات کی ایک ترتیب بھی بنتی ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعات مختلف مراحل میں رونما ہوں گے۔ ہر مرحلے میں کتنی مدت صرف ہو گی اور کتنا عرصہ لگے گا' اس کا تعین ممکن نہیں لیکن مختلف احادیث نبویہ کو جمع کر کے غور و تدبر کیا جائے تو ایک اجمالی نقشہ اور خاکہ ذہن میں ضرور مرتب ہو جاتا ہے۔ان احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے کیسے کیسے سخت مراحل اور صبر آزما امتحانات آنے والے ہیں اور ان کے جلو میں تباہی' ہلاکت اور خون ریزی کے کیسے کیسے طوفان اٹھنے والے ہیں۔ ہمیں بالعموم یہ کہہ کر تھپکی اور لوری دے دی جاتی ہے کہ بس اب پندرھویں صدی غلبہ اسلام کی صدی ہے اور روشن مستقبل ہمارا منتظر ہے اور ہم خوش ہو جاتے ہیں اور ان "امانی" سے بہل جاتے ہیں اور ہمیں ان فرائض کا احساس نہیں ہوتا جو اعلائے کلمتہ اللہ' احقاق حق' ابطال باطل اور غلبہ دین متین کی سعی و جہد کے ضمن میں ہر کلمہ گو کے ذمے ہیں۔ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کن انتہائی کٹھن مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور قطرے کے گہر ہونے تک اس پر کیا کچھ بیتنے والی ہے اور ان امتحانوں سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے لئے ہمیں حقیقی ایمان کی کتنی ضرورت ہے۔ OO

قیمت ۵ روپے

تعلیمات قرآنی کے شائقین کے لئے خوشخبری

یونیورسٹی' اسکول اور کالج کے طلباء کے پاس گرمائی تعطیلات کی وجہ سے آج کل خاصا وقت فارغ ہے۔ اس وقت کے بہترین مصرف کے طور پر قرآن اکیڈمی ملتان کے زیراہتمام ایک 30 روزہ قرآنی ورکشاپ کا مورخہ 12 جون تا 10 جولائی انعقاد کیا جا رہا ہے جس کے ذریعے درج ذیل اغراض و مقاصد کا حصول مطلوب ہے:

(1) عربی سے تعارف اور بنیادی عربی کی تعلیم

(2) قرات و تجوید کے بنیادی اصول اور قرآن مجید کے حروف کی درست ادائیگی کی تعلیم

(3) مطالعہ قرآن مجید کے ذریعے قرآن مجید کے مضامین سے تعارف

(4) بحیثیت ایک مسلمان فرائض دینی کا خاکہ

(5) تعمیر سیرت کا اصول قرآن و حدیث کی روشنی میں

(6) موجودہ عالمی حالات سے واقفیت اور مستقبل کی اسلامی مملکت کے قیام میں موافق و مخالف حالات کا جائزہ

نظام الاوقات درج ذیل ہوں گے۔

پہلا سیشن چار پیریڈ 45 منٹ کے 7.00 تا 10 بجے

وقفہ برائے چائے وغیرہ 10.00 بجے تا 10.30 بجے

دوسرا سیشن چار پیریڈ 45 منٹ کے 10.30 تا 13.30 بجے

اس کے علاوہ بیرونی طلبا کے لئے (جو قرآن اکیڈمی میں قیام پذیر ہوں گے) تیسرا سیشن شام 6 تا 8 بجے تک ہوگا۔

نصابی کتب میں قرآن مجید' احادیث کی مشہور کتب' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی منتخب کتب کے علاوہ مولانا اصلاحی' مولانا مودودی اور علامہ اقبال کی تصانیف' متفرق ابواب کتب سیرت کے علاوہ تقابل ادیان کے لئے مطالعہ توریت و زبور اور انجیل شامل ہے۔ قیام و طعام انجمن خدام القرآن ملتان کے ذمہ ہوگا۔

شام کے اوقات میں مقامی اور بیرونی شرکاء کے لئے صحت تعمیر سیرت کے لئے عملی موضوعات پر مشق کے لئے تحریری اور تقریری مقابلے ہوں گے اور انعامات دیئے جائیں گے۔

اس قرآنی ورکشاپ کے اختتام پر تمام شرکاء کی ایک سوالنامے کے ذریعے درجہ بندی کی جائے گی اور اس کے مطابق سندات بھی جاری کی جائیں گی جس کے لئے ایک مناسب تقریب کا بندوبست کیا جائے گا۔

اساتذہ میں جناب مختار حسین فاروقی' ڈاکٹر طاہر خاکوانی' پروفیسر ریاض الرحمن' پروفیسر تاثیر وجدان اور متعدد دیگر حضرات شامل ہوں گے۔

آپ کی توجہ کے لئے

ہفت روزہ "ندائے خلافت" صحافت کے مروجہ معنوں میں کوئی جریدہ نہیں اور کمرشل پرچوں کا انداز اختیار کرنا بھی اس کے لئے ناممکن ہے۔ یہ تو آپ کی تحریک' تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان ہے اور ترجمانی کا یہی محدود فرض منصبی ادا کرتا رہے گا جس کے لئے آپ کا تعاون درکار ہے۔

"ندائے خلافت" میں اشاعت کے لئے اپنے اپنے حلقوں میں دعوتی سرگرمیوں کی رپورٹیں ارسال فرمائیے تاکہ آپ کے دور و نزدیک کام کرنے والے ساتھیوں کا حوصلہ بھی بڑھے اور انہیں محسوس ہو کہ وہ ایک رواں قافلے کے ساتھ شریک سفر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ "ندائے خلافت" کی افادیت میں اضافے کے لئے اپنی تجاویز بھیجنے میں آپ بخل سے کام نہ لیں۔ آپ کے اس تعاون کے بغیر یہ پرچہ اپنے قارئین کی توقعات پر پورا نہ اتر سکے گا۔

"ندائے خلافت" کی اشاعت بڑھانے کا کام جوش و جذبے کے ساتھ کیجئے۔ اگر اب تک آپ خود اس کے مستقل خریدار نہیں بنے ہیں تو بسم اللہ کیجئے منسلکہ کوپن کاٹ کر اس میں ضروری اندراجات کیجئے اور بذریعہ ڈاک ہمیں بھجوا دیجئے ----- آپ خود خریدار ہیں تو یہ کوپن استعمال کے لئے اپنے کسی دوست کو پہنچایئے اور یہ کوپن بھی کیا ضروری ہے' یہی مضمون ایک علیحدہ خط میں بھی لکھا جا سکتا ہے

کوپن برائے سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں / چاہتی ہوں ۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کردیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ -------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام ....

پتہ ....

نوٹ: (رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۲۴

۲۱ جون ر ۱۹۹۳ء

10

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: ۵/- روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۰۰/- روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۸ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۲ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۱۷ 〃 〃

افتتاحیہ

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

گذشتہ کئی ماہ سے اس ملک خداداد کے سیاسی شعبے میں جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے' بھلے وقتوں کی بات ہوتی تو ہم اسے تماشا سمجھتے اور مزا لیتے کہ یہ بالکل نیا کھیل ہے۔ پاکستان کے باشعور اور بے شعور خواص و عوام نے چھیالیس برسوں میں ایوانہائے اقتدار کی غلام گردشوں میں بننے اور دیوان ہائے خاص میں کھیلے جانے والے کتنے ہی ناٹک دیکھے اور حکمرانوں کے کیسے کیسے بہروپ نظروں سے گزرے لیکن اس تماشے کے انداز نرالے ہیں۔ اس میں منظر اس تیزی سے بدلتے ہیں اور کہانی دیکھتے ہی دیکھتے ایسی برق رفتاری سے بالکل غیر متوقع موڑ مڑ جاتی ہے کہ دیکھنے والوں کے ہوش مسلسل اڑے رہتے ہیں اور سٹی گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہمارا نظام حکومت گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہا ہے۔ وہ کبھی پارلیمانی رہا' کبھی صدارتی اور کبھی چوں چوں کا مربہ اور مرکز اقتدار کے ڈھانچے کا نقشہ بھی ایک نہیں رہا۔ ایک عرصہ اس کا مرکز ثقل ایک ہی نکتہ رہا' ایک ہی کوزے میں دریا بند ہوتا تھا۔ لگ بھگ گیارہ برس ہماری قسمت اللہ کے ایک ہی ننھے منے "فرستادہ" بچے کی مٹھی میں بند رہی۔ پھر پانچ سال یہ مرکز مثلث کی شکل اختیار کر گیا پہلے "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ" والی بات تھی' پھر تین عناصر الگ الگ پہچانے جانے لگے تھے اور تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ کچھ دنوں سے اقتدار کی تکون' چوکور بن گئی ہے۔ عناصر ثلاثہ میں یہ نیا اضافہ عدلیہ کے فیصلہ کن کردار نے کیا ہے اور اب اقتدار کی ترکیب میں چار اجزاء شامل ہیں۔

کہنے کو جمہوریت عوام کے لئے' عوام کے ذریعے خود عوام کی حکومت ہے لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کیونکہ عملاً ان کا شمار تین میں ہے نہ تیرہ میں۔ وہ تو بہت سے بہت ایک دفعہ ووٹ کی پرچی استعمال کر لینے کے مجرم ہیں۔ پرچی کو ڈبے میں ڈال کر وہ اپنے ہاتھ کٹوا بیٹھتے ہیں کیونکہ اس کے بعد وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتے سوائے اس کے کہ بے بسی کے عالم میں بیٹھے اپنی دنیا لٹتے دیکھیں' اپنا گھر جلتے دیکھیں۔ ان دنوں جو افراتفری ہو رہی ہے اس میں صدر مملکت کا ایک کردار ہے' وزیراعظم کا اپنا ایک کردار ہے' فوج کا بھی ایک کردار ہے (جو "سو سنار کی" کے مقابلے میں جب چاہے "ایک لوہار کی" بن سکتا ہے) اور اب محسوس ہوا کہ عدلیہ کا کردار بھی کم اہم نہیں البتہ بے چارے عوام کے کردار کا ذکر اس قصے میں کہیں نہیں آتا کیونکہ وہ "ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے" نومبر 1990ء میں انہوں نے بس ایک بار اپنا ووٹ استعمال کر کے جو کردار ادا کیا تھا' اس کے بعد انہیں خاموش تماشائی بن کر دیوار سے لگے رہنا اور ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم کی روش اپنائے رکھنی ہے۔ صدر مملکت کے ایک "غیر قانونی" حکم کے تحت یہ کردار ایک بار پھر سے ادا کرنے کا موقع عوام کو آج (14 جون) کو ملنے والا تھا' عدالت عظمیٰ نے جسے روک دیا کیونکہ نظریہ ضرورت کو آئین سے بالاتر ہرگز نہیں ہونا چاہئے' جب تک رہا غلط رہا اور اس غلطی پر گرفت بھی آخر کار عدلیہ ہی کو کرنی تھی۔

پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر لیکن سوال تو یہ ہے کہ موجودہ صورت حال کو ملک کتنی دیر اور برداشت کر سکتا ہے۔ اس بحران بلکہ سیاسی غدر نے کاروبار حکومت اور قومی معیشت کو اتنا شدید دھچکا لگایا ہے جسے سہ جانے کی ہمت ہماری اجتماعیت کے موجودہ تانے بانے میں موجود نہیں ہے۔ دو چار دن کی بات ہوتی تو اس کی تلافی ممکن تھی' مہینوں سے جاری یہ مکروہ تماشا ہمیں کہیں کا نہ چھوڑے گا۔ بھنور کی اس گرہ کو ناخن تدبیر سے کھولنا ہی ہو گا ورنہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ عیدالاضحیٰ سے متصلاً قبل قومی اسمبلی کے ہنگامی اجلاس میں وزیراعظم کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے قائد حزب اختلاف نے مفاہمت کی خواہش کے خیرمقدم کے بعد کہا تھا کہ موجودہ گھمبیر صورت حال میں اصلاح کا واحد طریقہ ہمارے نزدیک تو ایک تازہ عام انتخابات ہیں جو ایک غیر جانبدار مخلوط (یا قومی) حکومت کی نگرانی میں فوج کے زیرانتظام جلد از جلد کرائے جانے چاہئیں البتہ کسی اور کے پاس کوئی اور شافی نسخہ ہے تو لائے' ہم اس پر بات کرنے کو تیار ہیں۔ ان کے نظریہ حیات اور انداز سیاست سے سو فیصد اختلاف رکھتے ہوئے بھی ہم ان کی اس تجویز سے اتفاق ظاہر کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ اصلاح احوال کا کوئی اور ذریعہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ ملک کی بقا اور سلامتی کا جسے بھی خیال ہے غالباً وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا جبکہ ہمیں الیکشن کے ہونے یا نہ ہونے سے کسی اور طرح کا تو کیا' کوئی سیاسی فائدہ بھی مطلوب نہیں۔ ہماری تو

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

پاکستان کے سیاسی بحران کو صیہونی سازش کے تناظر میں دیکھئے

نواز شریف اور بے نظیر تو کٹھ پتلیاں ہیں

علاج کے فکر سے پہلے تشخیص تو مکمل ہونی چاہئے

محمد راشد حفیظ

نواز شریف' بے نظیر مفاہمت کو آج ہماری ملکی سیاست کا اہم ترین موضوع سمجھا جا رہا ہے۔ ملکی اخبارات کے تقریباً تمام کالم نگار' اس موضوع پر اپنی اپنی تجاویز دے رہے ہیں۔ اہل دانش اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ قوم کو یقین دلایا جائے کہ مفاہمت کرنا یا محاذ آرائی کو جاری رکھنا بے نظیر اور نواز شریف کے اپنے اختیار میں ہے۔ چنانچہ اس مفاہمت کے فوائد کا شمار ختم ہونے میں نہیں آتا اور ہمیں یہ باور کرانے میں ہمارے مہربان دانشور تقریباً کامیاب ہو چکے ہیں کہ صدر اسحاق کی مبینہ خودسری کے آگے بند باندھنے کا راستہ بس یہی ہے لہٰذا ان دونوں یعنی نواز اور بے نظیر کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے کہ یہی عمل صوبوں کو مرکز سے لڑوانے کی نام نہاد سازش کو غیر موثر اور ملک کو بحرانی کیفیت سے نکال کر دوبارہ ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتا ہے۔

مگر عالمی سیاسیات کے تناظر میں اس صورت حال پر غور کیا جائے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام بیانات و آراء' یہ تمام تر کھینچا تانی اور اقتدار کی کشمکش دراصل کسی مخصوص مقصد کے حصول کے ایک ذریعہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ نواز' بے نظیر مفاہمت دراصل ان دونوں کو گھیر کر ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش ہے جس کی طرف انہیں ہانکنے کے لئے صوبائی حکومتوں میں نت نئے بحرانوں کو لاٹھی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اشاروں کنایوں کی مدد سے یہ بھی باور کرایا جا رہا ہے کہ اگر "اوپر" سے صادر ہونے والے اس حکم کی اطاعت نہ کی گئی اور ہانکا کرنے والوں کی مجوزہ سمت یعنی مفاہمت کے پلیٹ فارم کا رخ نہ کیا گیا تو آخری اور سب سے بھاری لاٹھی یعنی فوج بھی اپنے خول سے باہر آسکتی ہے۔

ان دنوں ہماری سیاست کی کتاب کا ایک نیا صفحہ پلٹا جا رہا ہے۔ اب دائیں اور بائیں بازو کے لئے نئی بنیادیں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ آئندہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے مباحث بنیاد پرستی اور سیکولر تصورات کے عنوانات لئے ہوئے ہوں گے۔ قاضی حسین احمد کا پاکستان اسلامک فرنٹ نہ تو خوامخواہ ہے اور نہ کسی دیوانے کی بڑ۔ یہ سب اسی تیاری کی غمازی ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ سیکولر اور بنیاد پرست دونوں نظریات کو پلیٹ فارم میسر کروانے کا ڈرامہ کیا جائے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی فرنٹ کے منشور کا حقیقی بنیاد پرستی سے دور کا بھی واسطہ نہیں بس اس پر ایک لیبل لگا دیا گیا ہے۔ بادی النظر میں یوں دکھائی دیتا ہے کہ اس سارے عمل میں امریکہ کا ہاتھ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ امریکہ بذات خود کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا' اصل قوت یہود ہیں جو نہ صرف امریکہ کی اقتصادیات کے براہ راست مالک و مختار ہیں بلکہ اب اس عالمی فرعونیت کو عظیم تر اسرائیل کے نام سے ایک حقیقت کا روپ دینے کا پروگرام رکھتے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل گٹھ جوڑ کو بھی ذہن میں رکھ کر اگر ہم ملکی سیاسیات پر نگاہ دوڑائیں تو یہ منظر بہت نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

منصوبے کے مطابق عظیم تر اسرائیل دراصل مشرق وسطیٰ میں ایک بہت بڑی صیہونی ریاست کے قیام کا عمل ہے جو دریائے نیل (مصر) سے دریائے فرات (عراق) تک پھیلی ہوئی ہو گی اور جہاں سے ایک عالمی سپریم گورنمنٹ کی شکل میں پوری انسانیت پر حکومت کی جائے گی۔ اس کے قیام کے مختلف مدارج اس طرح ہیں کہ چونکہ عالمی اقتصادیات یعنی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک وغیرہ کی صورت میں آن دی ریکارڈ اور سوئس بنکوں کی صورت میں آف دی ریکارڈ سفید و سیاہ دھن پر یہودی تسلط قائم ہو چکا ہے لہٰذا انہیں ضرورت ہے کہ عالمی بنیادی کرنسی جو ابھی تک امریکی ڈالر ہے' سے کسی بھی ملک کا تشخص ختم کیا جائے اور اسے براہ راست نجی بنکوں کی ضمانت پر مبنی قرار دیا جائے تاکہ اسے دنیا کے کسی بھی خطے بلکہ عظیم تر اسرائیل سے کنٹرول کیا جا سکے۔ اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ فیڈرل ریزرو بنک آف امریکہ جو یہود کی ہی ملکیت ہے' اپنے اثاثے سونے میں منتقل کرتے ہوئے ڈالر سے دستبردار ہو جائے گا۔ اثاثے اسرائیل منتقل ہو جائیں گے اور آئی ایم ایف ڈالر کو بنیادی کرنسی کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔ تب براہ راست سوئس بنکوں کی ضمانت پر جاری کی گئی کرنسی "یورو ڈالر" کو بنیادی کرنسی کی حیثیت دے دی جائے گی۔

امریکہ میں بدترین اقتصادی بحران کے ردعمل میں ریاست ہائے متحدہ کی امیر ریاستیں مثلاً کیلی فورنیا' خودمختاری کا اعلان کر دیں گی اور امریکہ کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ دوسری طرف مذہبی بنیادوں پر عیسائیوں اور مسلمانوں کا مشرق وسطیٰ میں تصادم کروا دیا جائے گا جس کے لئے ذہنوں کو ہموار کرنے کا کام عالمی میڈیا پر کئی سال سے جاری ہے۔ عیسائیوں کا اسرائیل کے قیام کے لئے اقدام کرنا ان کا مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے جبکہ بنیاد پرستی کا لیبل چسپاں کر کے مسلمانوں کو اسرائیل کے خلاف اکسایا گیا ہے۔ گویا بارود تیار کیا جا چکا ہے' صرف دیا سلائی دکھانا باقی ہے اور یہ دیا سلائی سلمان رشدی کا قتل اور اس کا جھوٹا الزام مسلمانوں پر رکھتے ہوئے ردعمل میں مسجد اقصیٰ کی شہادت' یا ایسا ہی کوئی دوسرا کام ہو گا۔ بھارت میں بابری مسجد کی شہادت بھی دراصل اسی کارروائی کی ریہرسل تھی۔ ہمارے علاقے کے مسلمانوں کا ردعمل انہوں نے دیکھ لیا' اب عرب نوجوانوں کو چونکانا مقصود ہے۔ مسجد اقصیٰ کی شہادت پر وہ دیوانہ وار جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو عیسائیوں کے ہاتھوں بری طرح پٹ کر عظیم تر اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کرائیں۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

تحریک خلافت کی بھولی بسری کہانی کا ایک باب

ہندوستانی مسلمان کو سلطان ترکی سے کیا تعلق تھا؟

"بی اماں" نے ایک ذاتی خط میں وضاحت کی

ہمارے اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی معلوم نہیں کہ رواں صدی کے بالکل ابتدائی برسوں میں ہندوستان کی فضا میں جس تحریک خلافت نے ارتعاش پیدا کردیا' وہ کیا تھی۔ یہاں کون سی خلافت قائم تھی جسے کوئی خطرہ لاحق ہوگیا تھا یا یہ تحریک کیا خود ہندوستان میں خلافت کے قیام کے لئے تھی۔ اور اگر ترکی میں خلافت کے ادارے کو ختم کر دیا گیا تھا تو اس سے ہندوستانی مسلمانوں کی صحت جسمانی یا ایمانی پر کون سا برا اثر پڑتا تھا؟؟ ہم ماضی قریب کی تاریخ کے اس باب سے جستہ جستہ حصے گاہے گاہے شائع کرتے رہیں گے۔ اب کے اس خط سے ایک اقتباس پڑھئے جو محترم آبادی بانو عبدالعلی بیگم نے 11 دسمبر 1917ء کو ایک غیر مسلم سیاسی کارکن خاتون کو اپنی طرف سے سپاس گزاری میں لکھا جنھوں نے ازخود محترمہ کے بیٹوں شوکت علی اور محمد علی کی رہائی کے لئے بھاگ دوڑ کی تھی اور اس سلسلے میں وہ وائسرائے تک سے جاکر ملیں۔ اس اقتباس سے جو خط کا تقریباً پانچواں حصہ ہے' کم از کم اس بات کا تو اندازہ ہوگا کہ ہندوستان کے مسلم اکابرین کا سلطان ترکی سے کیا تعلق تھا اور ان سے ہمدردی تھی تو کیوں؟

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی والدہ' آبادی بانو وہی "بی اماں" ہیں جو بولی تھیں کہ "جان بیٹا خلافت پر دے دو" ----- مدیر

واقعہ یہ کہ میرے لڑکوں کو ٹرکی سے اس سے زیادہ خاص ہمدردی نہیں ہے جتنی کہ انہیں چین سے ہے' لیکن مثل اور دوسرے لوگوں کے جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے انہیں صاف الفاظ میں متعدد جگہ پر بتاکید حکم دیا گیا ہے کہ وہ کل مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھیں' اور ان کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کا اظہار کریں۔ کوئی مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ ٹرکی کے ساتھ ویسے ہی ہمدردی کا آزادانہ اظہار نہ کرے اور اس ہمدردی کی تبلیغ کے لئے کوشاں نہ ہو جیسا کہ وہ مسلمانان ایران و ہندوستان و عربستان کے ساتھ کرتا ہے۔ گزشتہ چھ سات سال کا عرصہ دنیائے اسلام کے لئے سخت مصیبت اور رنج کا زمانہ گزرا ہے' اور میں فخر کرتی ہوں کہ اس زمانہ میں جہاں کہیں اور جب کبھی مسلمانوں کو مصائب میں مبتلا دیکھا یا سنا' میرے بیٹوں نے اس درد کو محسوس کیا اور ان کے ساتھ رنج میں شریک ہوئے' چنانچہ ایران' مراکش اور طرابلس کے مسلمان' ٹرکی کے مسلمانوں سے ان کی ہمدردی کے کم مستحق نہ تھے۔ سب کے ساتھ ان کی ہمدردی یکساں ہوئی۔ اس لئے کہ وہ سب مسلمان تھے اور کلام مجید کی تعلیم کے مطابق وہ سب یکساں ہمدردی کے مستحق تھے' یہ بات بھی ناقابل فراموش ہے کہ طرابلس اور بلقان کی ہنگامہ آرائیوں میں مظلومین کے ساتھ جو ہمدردی آزادانہ طور پر ظاہر کی گئی اور پھیلائی گئی اس کو وائسرائے و دیگر اعلیٰ حکام گورنمنٹ نے نہ صرف پسند کیا اور اس میں مدد دی بلکہ پھیلایا' اور مسلمانوں کی اس کے اظہار میں ہمت افزائی کی۔ اور میرے بچوں نے بھی نہ بوجہ سیاسی عقائد بلکہ بطور جزو مذہب کے اس ہمدردی کو آزادانہ طور پر ظاہر کیا اور پھیلایا' اور اس وقت کی بات سے اب تک کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہوئی جس سے اس مذہبی فرض کو کوئی جرم یا گناہ قرار دیا جائے'

اسی کے ساتھ ہی اس مسئلہ کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے' کہ اگرچہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ کسی خطے کے رہنے والے ہوں' ان کے برادران ملت کی ہمدردی لازمی اور ضروری ہے - لیکن اعلیٰ حضرت سلطان ٹرکی کی ایک مخصوص حالت ہے۔ بحیثیت ایک دنیاوی تاجدار ہونے کے وہ دنیا کے ایک خطہ پر جو ٹرکی کے نام سے موسوم ہے ایسے ہی حکمران سمجھے جاتے ہیں جیسے کہ شاہ کجکلاہ سرزمین فارس میں۔ اور اعلیٰ حضرت امیر افغانستان افغانستان میں سمجھے جاتے ہیں لیکن اس دنیاوی حکمران سے جداگانہ سلطان ٹرکی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے' جو دوسرے مسلم تاجداروں کو حاصل نہیں ہے۔ یہ امتیاز ان اختیارات و مرتبہ اور عظمت کی وجہ سے ہے جو خلافت کے ساتھ وابستہ ہے۔ سلطان المعظم خلیفتہ الرسول یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور امیرالمومنین ہیں' مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ کم سے کم ہماری گورنمنٹ اس بات کو محسوس کرتی ہے کہ یہ مذہبی مسئلہ (خلافت) غیر مسلمین کے اختیار سے باہر ہے' لیکن عملاً اس

اعتراف سے کیا فائدہ جبکہ گورنمنٹ ہندوستان کے بہترین مسلمانوں کو صرف اس جرم میں آزادی سے محروم کر رہی ہے کہ وہ علانیہ عالم اسلامی کے روحانی پیشوا اور اس کی مسلم رعایا سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں' حالانکہ یہ بھی اقرار ہے کہ ان لوگوں کی ہمدردی مجہول تھی (اس کے جو کچھ بھی معنی ہوں)

میں دوبارہ اس امر پر زور دیتی ہوں کہ مسلمانان ترکی کے ساتھ ہمدردی اور ان کے حکمران کو مذہبی پیشوا ماننا کوئی سیاسی عقیدہ نہیں ہے' جس کو اپنی نجات عقبیٰ کو نقصان پہنچائے بغیر کسی کا دل چاہے تو تسلیم کرے اور نہ چاہے تو نہ تسلیم کرے۔ نہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے تسلیم کرنے والے اس میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارا مذہبی مسئلہ ہے' جو ہمارے مذہب کی روح سمجھا جاتا ہے۔ ان کے حدود بھی ایسی ہی سختی کے ساتھ قائم کئے گئے ہیں جس طرح کہ دوسرے مذہبی مسائل ہیں۔ میں کوئی دین کی عالمہ نہیں ہوں' نہ میرے لڑکے عالم دین ہیں۔ ہم لوگ اس مسئلہ میں بھی مثل دوسرے مذہبی مسائل کے پیشوایان دین کی رہنمائی پر کاربند ہوتے ہیں۔ تاہم اس قدر تو ہماری طرح تمام مسلمانوں کو معلوم ہو گا کہ اپنے برادران مذہب کے ساتھ جس ہمدردی کے برتنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی حدود کل حالتوں میں یکساں اور ناقابل تغیر ہیں۔ کیا میرے لڑکوں نے اس عجیب مسئلہ کو برطانیہ کے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کے بعد گورنمنٹ کو پریشان کرنے کے لئے تراشا ہے یا یہ مسئلہ اس مذہب کا جزو ہے جو تیرہ سو برس ہوئے مکمل اور نہ بدلنے والی صورت میں ہمارے لئے چھوڑا گیا تھا؟ جاہل اور غیر معتبر شخصوں کی رپورٹوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے گورنمنٹ کو اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس مسئلہ پر کبھی غور نہیں کیا۔ اور اگر غور کیا تو اس فیصلہ کے نتائج پر کاربند ہونے کو تیار نہیں جس کے علاوہ سچائی سے وہ کسی دوسرے فیصلہ پر پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ کم از کم اس بات کو تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ میرے بیٹوں نے دشمنان بادشاہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار علانیہ اور آزادانہ طور پر کیا اور اسی طرح اس ہمدردی کو پھیلایا۔ اور چونکہ یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ ہمدردی کب اور کس صورت میں ظاہر کی گئی اور پھیلائی گئی۔ اس لئے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے ان دعاؤں کے غلط معنی سمجھے ہیں جو تمام مسلمان ہمیشہ سے خلیفۃ المسلمین اور مسلمانوں کی افواج کے مظفر و منصور ہونے کے لئے مانگتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ صوبہ متوسط کے چیف کمشنر نے شوکت علی کو ایسی دعا مانگنے سے روکا تھا۔ چنانچہ ان دعاؤں کی نسبت جب مذہبی احکام ان کے سامنے پیش کئے گئے تب وہ حکم امتناعی منسوخ کر دیا گیا۔ اگر میرے بیٹوں نے اس کے علاوہ طریقہ ہمدردی کا اختیار کیا تو صاف طور سے اس کا اظہار کیوں نہیں کیا گیا۔

ہم کو مسلمانان ترکی سے جو ہمدردی اور سلطان ترکی سے جو روحانی عقیدت ہے وہ ہمارے ناقابل تغیر مذہب کا ایک لازمی و ضروری جزو ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں' انہی وجوہ سے عملی اور مجہول ہمدردی میں جو امتیاز پیدا کیا گیا وہ ہم مسلمانوں کے لئے ناقابل فہم ہو گیا ہے۔ رہی جذبات کی زیادتی تو اس کی نسبت یہ خیال کر لینا چاہئے کہ بمقابلہ فتح و کامیابی کے ہمارے مسلمان بھائیوں کی تکالیف و مصائب ہمارے دلوں میں ان کے لئے زیادہ ہمدردی پیدا کرتی ہیں۔ اور میں نہیں سمجھ سکتی کہ روسی ہزیمت جس نے بقول آپ کے اگر جرمنوں اور ترکوں کے حوصلے بڑھا بھی دیئے ہوں' کس طرح میرے لڑکوں کی ہمدردی اور کامل ترین قانونی آزادی پر اثر ڈال سکتی ہے۔

بقیہ بھارتی نصاب تعلیم

اور پردہ کا رواج پورے سماج میں ہو گیا۔

باب ۹ میں ٹیپو کے سلسلے میں تحریر ہے کہ اس نے اپنے پڑوسی راجپوتوں سے مدد نہ حاصل کر دور دراز دیسوں جیسے فرانس اور دوسرے مسلم پڑوسی راجیوں سے مدد حاصل کی۔ حیدر سلطنت قائم کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا اور ٹیپو پیدا ہوا تھا اس کی بربادی کے لئے۔

صفحہ ۲۸۳ پر ملک کی آزادی کے سلسلے میں اخبارات کا ذکر ہے لیکن اردو اخبارات کو نظرانداز کیا گیا ہے۔

باب ۱۲ میں مولانا محمد علی کو مولانا محمد علی جناح لکھا گیا ہے۔ یہ حماقت نہیں ہے بلکہ الجھن اور کردار کشی کی دانستہ کوشش ہے۔

خلافت تحریک کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس نے عدم تعاون کی تحریک کو بہت طاقت دی لیکن اس کی وجہ سے سیاست میں مذہبی بیداری بھی آگئی جس سے آگے چل کر فرقہ وارانہ رجحان بڑھ گیا۔

باب ۱۳ میں ڈاکٹر کیشو راؤ ہڈگوار جو آر ایس ایس کے بانی تھے' ان کا ذکر اور حالات صفحہ ۳۱۶ سے ۳۱۹ تک بیان کئے گئے ہیں اور انہیں گاندھی جی' مولانا آزاد اور جواہر لال نہرو سے بھی زیادہ دیش بھگت اور جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ بڑی بڑی قربانی دینے والے لیڈر جنوں نے جنگ آزادی کی رہنمائی کی' ان کا ذکر صرف دو ایک سطروں میں کر دیا گیا ہے۔ مولانا آزاد' علی برادران' حکیم اجمل خاں اور حسرت موہانی کا مجموعی ذکر صرف چار سطروں میں کر دیا گیا ہے۔ عبدالغفار خان جو ہندوؤں کا اس برصغیر میں سب سے بڑا پٹھو تھا اور جسے سرحدی گاندھی کا خطاب دیا گیا تھا' چونکہ وہ بھی مسلمان سمجھا جاتا تھا للذا اس کا بھی ذکر صفحہ ۳۱۱ پر صرف اتنا ہے کہ "سرحدی صوبہ میں کانگریس کے نیتا عبدالغفار خان کی کوششوں سے اس صوبہ میں بھی قومی تحریک کامیاب رہی"۔

ان حوالوں کو دیکھ لینے کے بعد اہل نظر کے لئے یہ اندازہ قائم کرنا قطعاً دشوار نہیں ہونا چاہئے کہ طاغوتی طاقتیں اسلام کو فنا کرنے کے لئے کس تیزی سے ہر محاذ پر پیش قدمی کر رہی ہیں اور اس سنگین صورت حال میں ہم پاکستانی مسلمانوں کی ذمہ داری کیا بنتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کے قائم ہوتے وقت جو سب سے بڑا تالیف قلب کا باعث تھا وہ یہی تھا کہ اس مملکت خداداد کی صورت میں مسلم تشخص اور تحفظ کو ایک بنیاد اور قوت و استحکام کا ایک مرکز دستیاب ہو جائے گا جو نہ صرف اپنے شہریوں کے لئے بلکہ بھارت کے مسلمانوں کے لئے بھی ایک غیر مرئی محافظ کی ذمہ داری نبھائے گا۔ لیکن بالفعل اس مملکت خداداد میں جو کچھ ہوا اس کو دہرانا زخموں پر نمک پاشی کے سوا کچھ نہیں۔ للذا اس سے پہلے کہ حزن و یاس کی یہ فضا بے بسی اور دل شکستگی میں تبدیل ہو جائے' ہمیں اس مقصد کی ذہن میں تجدید کرنی چاہئے جس کے لئے اللہ سے ہم نے یہ محفوظ خطہ زمین مانگا تھا اور وہ مقصد ظاہر ہے کہ اسی نظام حکومت کا قیام ہو سکتا ہے جس کو "خلافت علی منہاج النبوہ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو اسلامی تشخص کے تحفظ کی ان تمام امیدوں میں پھر سے جان ڈال سکتا ہے جو بھارتی مسلمانوں کی آنکھوں میں تو اب دھندلا بھی چکی ہیں۔ اس سے پہلے کہ اس فرض سے اغماض کے ارتکاب پر یہ نعمت ہم سے چھن جائے ،ہمیں اس پلیٹ فارم پر جمع ہو جانا ہو گا جہاں سے اس کار منصبی کی انجام دہی کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جا رہا ہے۔ OO

انگریز کا مقصد ہندوستان سے باعزت نکل جانا رہ گیا تھا

(ساتویں قسط)

فریقین کے مابین خون کی ایک خلیج حائل ہو گئی

قائداعظم نے ان سازشوں کو بے نقاب کیا جو دوران مذاکرات کی گئیں

مرزا ایوب بیگ

اس حقیقت سے تاریخ کا ہر قاری آشنا ہے کہ جنگ عظیم دوم میں گو برطانیہ کو عظیم فتح حاصل ہوئی تھی لیکن وہ اسے ہر لحاظ سے اس قدر ناتواں کر گئی کہ باہر کی دنیا میں اس کا راج ہر جگہ ڈولنے لگا۔ برصغیر ہند سے بھی اب اس کا اصل مقصد باعزت طور پر نکلنا تھا لہٰذا انگریز کانگرس کے ساتھ جسے وہ ہند کی اصل سیاسی قوت سمجھتے تھے' معمولی سی بگاڑ کا بھی خطرہ مول نہیں لیتے تھے۔ وہ یورپی باشندوں کا محفوظ اور پرامن طور پر ہند سے اخراج بھی چاہتے تھے پھر ہند کو آزاد کرنے کے بعد بھی بطور مارکیٹ اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے اور اپنی واپسی کے بعد آزاد ہند کا روس کی گود میں جانا بھی انہیں گوارا نہیں تھا۔

اس پس منظر میں کانگرس جو واقعتاً ہندوستان کی منظم اور بڑی سیاسی قوت تھی اور مذکورہ جنگ کے بعد حال یہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھی چھوٹے بڑے مسئلے پر اگر حکومت برطانیہ کو آنکھیں دکھاتی تو انگریز کی اصول پسندی' وعدہ ایفائی اور قانون پسندی سب دھری کی دھری رہ جاتی تھی اور وائسرائے ہند پر بمع تمام تر سرکاری مشینری کے لرزہ طاری ہو جاتا اور کل سرکاری مشینری کانگرس کی دلجوئی اور خوشامد میں لگ جاتی۔

پھر یہ کہ مسلم لیگ اگرچہ عوامی قوت بن چکی تھی تاہم اس کی قیادت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو آئینی ذرائع' مذاکرات اور پرامن طور پر قانونی حدود کے دائرے میں رہ کر حقوق کی جنگ لڑنے کا قائل تھا۔ لہٰذا سرکار دربار کے خوشامدانہ رویئے اور مقابل حریف کی صلح جوئی نے کانگرسی قیادت کو غرے اور تکبر میں مبتلا کر دیا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ساڑھے تین ماہ کے طویل سیاسی مذاکرات کی جو شب و روز منعقد ہوتے رہے' حالت یہ تھی کہ اگر صبح کے مذاکرات میں کوئی پیش رفت ہوتی تو شام تک اس کی اپنی کوئی نرالی تعبیر کر کے اسے ناکام بنا دیا جاتا اور شام کے مذاکرات میں اگر کوئی کامیابی حاصل ہوتی تو صبح کے اجلاس میں کوئی ایسے نئے مسائل کھڑے کر دیئے جاتے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ کبھی گاندھی کی "اندرونی روشنی" کسی طے شدہ مسئلے کو پھر سے زندہ کر دیتی اور کبھی نہرو صاف صاف مکر جاتا۔ پٹیل تو صاف صاف کہتا تھا کہ انگریز کو تو بہرحال جانا ہی ہے' وہ ہندوستان کی بڑی سیاسی قوت کو نظرانداز کر کے خسارے کا سودا کیوں کرے گا اور مسلمانوں میں اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ ہتھیار اٹھا سکیں۔ لہٰذا حالات ہماری مرضی و منشا کے تابع ہیں۔

مسلم لیگ نے ۱۶ مئی ۴۶ء سے لیکر ۶ جون تک تمام قلیل المیعاد اور طویل المیعاد منصوبوں کو تھوڑی بہت رد و قدح کے بعد طوعاً و کرہاً ہی سہی' قبول کر لیا لیکن کانگرس نے کسی منصوبہ کو بھی غیر مشروط طور پر قبول بھی نہ کیا اور حالات کے خراب ہونے اور پرتشدد ہو جانے کی دھمکیاں بھی دیتی رہی۔

ان حالات سے مایوس ہو کر قائداعظم نے ۲۷ جولائی کو مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں طلب کر لیا لیکن اس سے پہلے قائداعظم نے اتمام حجت کے لئے وزیراعظم ایٹلی کو ایک ذاتی خط لکھا جس کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ اس میں حکومت برطانیہ' وزارتی مشن اور وائسرائے ہند کے ان وعدوں کا ذکر کیا جو پچھلے چار ماہ میں وہ مسلم لیگ اور ذاتی طور پر قائداعظم سے کر چکے تھے اور پھر کانگرس کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ان سے انحراف کر لیا تھا۔ یہاں قارئین کے یہ جاننے کے لئے کہ مسلم دشمنی میں انگریز کی اصول پسندی اور جمہوریت پسندی کیسے کیسے پینترے بدلتی رہی' وزیراعظم ایٹلی کے جواب میں سے چند سطور نقل کی جا رہی ہیں:

"جہاں تک ۱۶ مئی کی دستاویز کا تعلق ہے تو کانگرس نے جن شرائط پر منظوری دی ہے' وہ یقیناً کچھ تشنہ ہیں لیکن میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ نے بھی تو ۶ جون کی قرارداد میں بعض باتوں پر اختلاف کا حق محفوظ رکھا ہوا ہے۔ یہ صرف آئین ساز اسمبلی کی کارروائی سے معلوم ہو گا کہ ہر دو پارٹیوں نے اختلاف کے لئے اپنے جو حقوق محفوظ کر رکھے ہیں ان کے ہوتے ہوئے کوئی ایسا آئین وضع ہو سکے گا کہ جو دونوں پارٹیوں کی امنگوں پر پورا اترتا ہو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے پرامن اور روشن مستقبل کے لئے موجودہ اختلافات کو دلائل اور مفاہمت کے ذریعے طے کرنا ہو گا۔ یہی تو آئین ساز اسمبلی کا کام ہے۔

ایٹلی کے اس جواب کے پڑھنے کے بعد اگر ماضی کے مذاکرات کے نشیب و فراز پر نگاہ ڈالی جائے تو بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ ایٹلی نے قائداعظم کو جو جواب دیا اس میں قلم ایٹلی کا ہے الفاظ نہرو اور گاندھی کے ہیں۔ حسن اتفاق کی بات ہے کہ ایٹلی کا جواب ۲۷ جولائی کے اجلاس سے صرف چند دن قبل قائداعظم کو وصول ہو گیا۔ اس خط نے مذاکرات کے دروازے بند کر دیئے۔ ۲۷ جولائی کے اجلاس میں قائداعظم نے پہلی بار یہ الفاظ استعمال کئے کہ آئینی اور پرامن راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ مسلم لیگ کے پاس اس کے سوا اب کوئی راستہ نہیں کہ وہ اپنے زور بازو پر انحصار کرے اور حصول پاکستان کے نصب العین کی پابند ہو جائے۔ قائداعظم نے کہا کہ ہم ہر دلیل آزما چکے ہیں۔ اب کسی سے امداد یا اعانت کی توقع نہیں۔ کوئی ٹریبونل نہیں جہاں ہم

جاسکیں۔ مسلم قوم ہی واحد ٹریبونل ہے۔

قائداعظم نے پہلی بار ان تمام سازشوں کو بے نقاب کیا جو دوران مذاکرات کی گئیں۔ مسلم لیگ کونسل کا یہ اجلاس تین دن تک جاری رہا۔ مندوبین نے پرجوش تقریریں کیں۔ ان میں بیشتر کا یہ موقف تھا کہ ہم نے مطالبہ پاکستان کو بالائے طاق رکھ کر اور وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کر کے غلطی کی اور بعض نے اسے تدبر اور فراست کا شاہکار قرار دیا۔ تاہم اس بات پر سب کا اتفاق تھا کہ اب ہمیں وزارتی مشن منصوبہ ترک کر کے حصول پاکستان کی جدوجہد کرنی چاہئے اور اس کے لئے راست اقدام کرنا چاہئے۔ ۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے ایک تاریخ ساز قرارداد منظور کی جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ اب جبکہ کانگرس کی ہٹ دھرمی اور برطانوی حکومت کی مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی وجہ سے وزارتی امن منصوبہ رد کردیا گیا ہے۔

☆ اور جبکہ مسلمانان ہند کی جانب سے ہندوستان کے مسئلہ کے حل کے لئے تصفیے اور آئینی حل کی تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوچکی ہیں۔

☆ اور جبکہ کانگرس برطانیہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے پورے ہندوستان میں اونچی ذات کا ہندو راج نافذ کرنا چاہتی ہے۔

☆ اور جبکہ حالیہ واقعات نے ثابت کردیا ہے کہ ہندوستان کے معاملات میں انصاف اور حسن سلوک کی بجائے زور آزمائی کی سیاست ہی فیصلہ کن حربہ ہے۔

☆ اور جبکہ اچھی طرح واضح ہوگیا ہے کہ مسلمانان ہند ایک مکمل آزاد اور خودمختار پاکستان سے کم کسی شے کو قبول نہیں کریں گے۔

☆ لہٰذا آل انڈیا مسلم لیگ کونسل پورے یقین کے ساتھ سمجھتی ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان قوم برطانیہ کی غلامی اور متوقع اونچی ذات کے ہندو غلبہ سے نجات کے لئے پاکستان کے قیام کی خاطر ڈائریکٹ ایکشن کا راستہ اختیار کرے۔ مزید یہ کہ برطانوی رویئے کے خلاف احتجاج کرنے اور شدید نفرت ظاہر کرنے کے لئے یہ کونسل اعلان کرتی ہے کہ تمام مسلمان اس برائی حکومت کے عطا کردہ تمام خطابات کو آج سے واپس کردیں۔

اس کے بعد اجلاس میں موجودہ تمام خطاب یافتہ ارکان نے سٹیج پر آکر خطابات واپس کرنے کا اعلان کیا اور ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو ڈائریکٹ ایکشن ڈے منانے کا اعلان کردیا گیا۔

مسلم لیگ کے اس اعلان سے برصغیر کی صورت حال میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ کانگرسی رہنماؤں نے اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ہندوستان کے اکثر شہروں میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل گئی جس کی کیفیت پہلے ہی کافی سنگین تھی۔ مزدوروں میں بھی بے چینی پھیل گئی اور عمومی صورت حال بہت تشویشناک ہوگئی۔ کیمونسٹ عناصر بھی حرکت میں آگئے۔ گو قائداعظم کے پاس کوئی مستعد تنظیم تحریک چلانے کے لئے موجود نہیں تھی لیکن مسلم لیگی زعماء عوامی تحریک چلانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ لہٰذا محسوس ہونے لگا کہ اگر کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو پھر یہ تحریک 'ایک جہاد کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔

۱۶ اگست سے پہلے وائسرائے ہند اور کانگرسی رہنماؤں کی ان گنت ملاقاتیں ہوئیں۔ جن میں قائداعظم کو دوبارہ رضامند کرنے کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا لیکن کانگرس اپنے رویئے میں کوئی خاص تبدیلی لانے پر آمادہ بہرحال نہیں تھی۔ ۱۶ اگست کے تاریخی دن کو مسلمانان ہند نے زبردست احتجاجی مظاہرے اور جلسے کئے لیکن یہ سب پرامن رہے البتہ کلکتہ میں زبردست خونی فسادات ہوئے جہاں دونوں قوموں نے ایک دوسرے کا کھلم کھلا قتل عام کیا۔ بعض مقامی اخبارات کے مطابق پچاس ہزار افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔ بیشتر مورخین کے مطابق پانچ ہزار ہلاک اور پندرہ ہزار زخمی تھے۔ تاہم ۱۸ نومبر کو برطانوی پارلیمنٹ وزارت ہند کی جانب سے ایک تحریری جواب میں بتایا گیا کہ چار ہزار افراد ہلاک اور اسی ہزار زخمی ہوئے ہیں۔ بعدازاں چٹاگانگ اور ڈھاکہ میں بھی خونی فسادات ہوئے۔ کلکتہ کا لرزہ خیز ہندو مسلم فساد کیوں اور کیسے ہوا، کون اس کا ذمہ دار تھا؟ فیڈرل کورٹ کے ایک جج کی زیرصدارت ایک تحقیقاتی کمیشن قائم ہوا جو ایک سال تک رپورٹ بھی مرتب نہ کرسکا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی پہلے ہی عروج پر تھی لیکن اس المیہ کے بعد یہ بالکل لاینحل مسئلہ بن گیا اور فرقہ وارانہ فساد نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی۔ فریقین کے مابین خون کی ایسی خلیج حائل ہوگئی جسے عبور کرنا ناممکن نظر آنے لگا۔ کانگرس کا ایک قومی نظریہ کلکتہ میں بہتی خون کی ندی میں غرق ہوگیا اور ہندوستان کی تقسیم بظاہر ناگزیر ہوگئی۔ ○○

----(جاری ہے)

بقیہ: زبان خلق

بابری مسجد کے سانحے پر پاکستان میں ردعمل کے مشاہدے کے ساتھ ہی یہ فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ اب دائیں اور بائیں بازو کے لئے بنیاد محض سیاسی جماعتیں نہیں بلکہ سیکولر اور غیرسیکولر جماعتیں ہوں گی۔ تاہم اس میں التزام رکھا گیا کہ حقیقی اسلام کا ذکر نہ ہو، صرف نعروں سے کام چلایا جائے اور ایک جیسے ہی دو پلیٹ فارموں میں سے ایک پر اسلام کا لیبل لگا دیا جائے۔ چنانچہ قاضی صاحب مدظلہ "آتش نمرود" میں بے خطر کود گئے۔ دوسرے پلیٹ فارم پر بے نظیر اور نواز شریف کو ایک دوسرے کی شراکت برداشت کرنا ہوگی ورنہ دونوں چرواہے یعنی فوج اور صدر لاٹھیاں برسانے میں شدت اختیار کرلیں گے۔ اگر اپنے اپنے انفرادی اقتدار کی خواہش میں درمیانی فاصلہ بڑھانے کی کوشش کی گئی تو مارشل لاء کے ذریعے یہ پلیٹ فارم ان سے خالی کروا لیا جائے گا۔

ایک تیسری صورت بھارت سے جنگ کی بھی ہے۔ یہ اس وقت شروع کروائی جائے گی جب دونوں چرواہے یعنی فوج اور صدر "کام کے آدمی" نہ رہیں یعنی ملک کے ساتھ خواہ مخواہ مخلص ہو جائیں۔ اس صورت میں امن و امان کی ابتری اور دھماکوں سے ابتدا ہوگی اور جنگ کے بعد صوبائی خودمختاری اور کنفیڈریشن کے راستے سے مرکز کا اختیار ختم کیا جائے گا۔ نج کاری کے عمل کے ذریعے ملکی اثاثے یعنی واپڈا، ریلوے وغیرہ واجب الادا قرضوں کے عوض بالواسطہ طور پر نیلام کی طرح کے طریقوں کے ذریعے یہود کو منتقل ہوچکے ہوں گے جن پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کا لیبل لگا ہوگا۔ تب مرکز کی حیثیت عظیم تر اسرائیل اور خودمختار صوبوں کے درمیان محض ایک رابطہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ دوسری طرف آغا خانی ریاست کی صورت میں شمالی علاقوں میں چین، نو آزاد روسی ریاستوں اور پاکستان کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی۔ یہ ریاست براہ راست اسرائیل کے تابع ہوگی جس کا اندازہ ان کے عقائد سے واضح طور پر ہوسکتا ہے۔ اس سارے منظر کا اہم ترین جز یہ ہے کہ گریٹر اسرائیل اور یورو ڈالر دونوں کے منصہ شہود پر آنے کا سال منصوبے کے مطابق 98-1997ء ہے اور امریکی ہفت روزہ "ٹائم" کے مطابق 2000ء میں اہرام مصر کے سامنے اس کا جشن منایا جانا ہے۔ ○○

ایک بزرگ قاری کے تاثرات

اب انہوں نے ہمارا درد بھی جانا ہوگا

سابق رکن جماعت، شیخ جمیل الرحمٰن اپنے زخموں کی بہار دکھاتے ہیں

کراچی سے ہمارے بزرگ ساتھی شیخ جمیل الرحمٰن نے ہمارے پچھلے شمارے کے بعض مضامین پر اپنے تاثرات ارسال فرمائے ہیں۔ وہ تنظیم اسلامی کے تاسیسی رفقاء میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور جسم و جاں کی بچی کھچی توانائیاں تحریک خلافت پاکستان کے لئے بھی وقف کئے بیٹھے ہیں۔ عہد شباب میں عمر عزیز کے پندرہ برس جماعت اسلامی پر بھی نثار کئے۔ ان کا شمار کراچی کے ذمہ دار اراکین جماعت میں ہوتا تھا۔ ان کا دل جانتا ہے اور تنظیم اسلامی کے قافلے میں شامل گنتی کے چند ہمراہیوں کو ہی معلوم ہے کہ تنظیم کے جرائد میں جماعت اسلامی کا ذکر کیوں آتا ہے، ورنہ ہمارے اکثر ساتھی تو اس پر چیں بہ جبیں رہتے ہیں کہ خوباں سے یہ چھیڑ کیوں!

جناب شیخ جمیل الرحمٰن لکھنے کا اپنا ایک طرز خاص رکھتے ہیں اور ان کی تحریروں میں بے ساختگی کے ساتھ بلا کی چنچلی ہوتی ہے لیکن زیر نظر تاثرات میں وہ بات نظر نہیں آتی تو اس لئے کہ علالت اور ضعف پیری کے باعث وہ اپنے قلم سے نہیں لکھ سکے اور عبارت کو املا کرایا جائے تو مضمون میں ربط اور جملوں میں چستی برقرار رکھنے کے لئے ایک خاص طرح کی مشق درکار ہوتی ہے جو ظاہر ہے کہ انہیں حاصل نہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے جذبات کو ہم اپنی زبان دے دیں جس کی جسارت نہیں کی جا رہی۔ جو تحریر بطور تبرک موصول ہوئی ہے، اسے تبرک ہی سمجھ کر پڑھا جائے ______ مدیر

"ندائے خلافت" کے شمارہ ۲۴ مئی ۹۳ء کے مطالعہ کے بعد شدت سے یہ احساس پیدا ہوا تھا کہ حسن اتفاق سے یہ پرچہ تحریک خلافت کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک مفید ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں جہاں تحریک خلافت کا بھرپور تعارف موجود ہے وہاں انقلاب نبویؐ کے موضوع پر منعقدہ محاضرات قرآنی کی روداد میں اسلامی انقلاب کے نشانات راہ اور سنگ ہائے میل بھی اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان ہوگئے ہیں۔

اسی طرح کے حسن اتفاق کا اعادہ "ندائے خلافت" کے تازہ شمارے (۷ جون ۹۳ء) میں نظر آیا جو کل ہی ملا ہے۔ اس میں ادارہ سمیت محترم نعیم صدیقی مدظلہ کا "کالم" (جسے مدیر ندائے خلافت نے "دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے" کا عنوان دیا) مرحوم مولانا آزاد کا خطاب جس نے گویا زخم ہائے دل کو گویائی دے دی اور جناب صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی دامت اقبالہ کا مضمون جس میں ایک سابق وفاقی وزیر کی "گل فشانی گفتار" پر "عمل جراحت" کیا گیا، شامل ہیں۔ یہ سارے رشحات بیان و قلم اپنے اپنے نفس مضمون اور موضوع کے اعتبار سے جہاں سوز و گداز، فکر انگیزی، عبرت پذیری اور متاثر کن حکم و بصائر کے حامل ہیں، وہاں ادب عالیہ، فصاحت و بلاغت، سلاست و دلالت، تذکیر و نصیحت اور تلمیحات و تشبیہات کے لحاظ سے بھی ایک حسین مرقع ہیں۔

ان دونوں شماروں کے ان مضامین کے مطالعہ کے بعد جو تاثر قائم ہوا، اسے بھی ذہن نے "حسن اتفاق" ہی سے تعبیر کیا لیکن آج صبح اچانک ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ جس کو "اتفاق" کہا جاتا ہے وہ درحقیقت اتفاق نہیں ہوتا لیکن چونکہ انسان "غیب" کا علم نہیں رکھتا لہذا محض اپنی لاعلمی کی وجہ سے ایسے واقعات کو جو خلاف توقع اور اچانک ظہور پذیر ہوتے ہیں "اتفاق" سے تعبیر کرتا ہے۔ وگرنہ امرواقعی میں یہ "اتفاقات" ایک مدبر، ایک عزیز، ایک حکیم اور ایک بالاراده ہستی کے حکم سے عمل میں آتے ہیں اور مختلف انسانوں پر مختلف اثرات مرتب کرتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی بدقسمتی سے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے لئے بروقت نہیں پہنچا اور اس کی جگہ ایک خوش نصیب "منتظر" شخص کو جہاز میں سوار کرادیا جاتا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد خبر ملتی ہے کہ جہاز کو حادثہ پیش آگیا اور تمام مسافر اور عملہ ہلاک ہوگیا۔ اب یہ "اتفاق" وقت پر پہنچنے والے کے لئے خوش بختی بن گیا اور غیر متوقع طور پر سیٹ ملنے والے کے لئے بدبختی۔ ایک گھر میں خوشی کے شادیانے بجے اور ایک میں صف ماتم بچھ گئی۔ لیکن یہ سب کچھ "اتفاق" نہیں بلکہ مشیت الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔ (راقم

کو اپنے خاندان میں ایسے دو حادثات سے سابقہ پڑچکا ہے)۔

محترم نعیم صدیقی صاحب کا "کالم" پہلی بار موقر "ہفت روزہ تکبیر" میں نظر سے گزر چکا تھا جس کے مطالعہ کے بعد اوائل نوجوانی کا ایک واقعہ ذہن میں ابھرا۔ اب "ندائے خلافت" میں دوبارہ اس کو پڑھنے کا موقع ملا تو وہ واقعہ زیادہ واضح ہوکر ذہن میں تازہ ہوگیا ہے۔ دل نے چاہا کہ اس کو ضبط تحریک میں لے آیا جائے۔

نوعمری میں (جبکہ راقم کی عمر سولہ سترہ سال تھی) میرے لئے والدین کی طرف سے تاکید اور ہدایت تھی کہ اذان عشاء سے قبل گھر پہنچ جایا کروں' الاّ یہ کہ دیر سے آنے کی پیشگی اطلاع دے کر اجازت نہ لے لی گئی ہو۔ اس کے بغیر جب بھی دیر سے گھر پہنچتا تو والدہ مرحومہ کی نہ صرف ناراضگی بلکہ باقاعدہ "جوتیوں کی مار" سے سابقہ پیش آیا کرتا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ میں نے جرات کرکے یہ کہہ دیا کہ "میں اب ننھا سا بچہ نہیں ہوں کہ آپ دیر سے آنے پر پریشان ہوجایا کریں اور مجھے مارپیٹ سے سابقہ پیش آیا کرے۔ اس موقع مرحوم والد محترم نے جو ایسے مواقع پر عموماً خاموش تماشائی بنے رہتے تھے' (راقم نے شعوری زندگی میں والد مرحوم و مغفور سے صرف ایک بار طمانچہ کھایا ہے) فرمایا کہ "میاں صاحبزادے! تمہارے دیر سے آنے سے ہم پر جو بیتتی ہے اس کا تمہیں احساس ہو ہی نہیں سکے گا جب تک تم کو خود ایسے حالات سے سابقہ پیش نہ آئے"

چنانچہ یہی ہوا کہ جب اپنے بچے مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچتے تھے تو دل و دماغ مختلف اندیشوں اور خدشات کی آماجگاہ بن جاتے تھے اور تشویش کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نگاہیں دروازے کا طواف کرتی رہتیں اور کان ہر آہٹ پر لگے رہتے تھے۔ ایسے موقع پر مجھے والد مرحوم و مغفور کی بات یاد آجاتی۔ جناب نعیم صدیقی کی "واردات قلب" کا جائزہ لیا کچھ ویسی ہی کیفیت طاری ہوگئی اور خیال آیا کہ موصوف محترم اللہ تعالٰی ان کو صحت و تندرستی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے) کا "کالم" ان کے دلی دکھ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ آج وہ جس کرب و اضطراب اور صدمے سے دوچار ہیں' یقیناً اسی کیفیت میں وہ اس کرب و صدمہ کا کسی نہ کسی درجے میں احساس و ادراک کرسکتے ہیں جس سے ۵۶ء کے اواخر اور ۵۷ء کے اوائل میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کو سابقہ پیش آیا تھا جن پر "سازش" کا الزام لگا کر شوریٰ سے استعفوں کا مطالبہ کیا گیا نیز اس کے بعد جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اور اس جماعت میں جو کچھ ہوا جس کی تاسیس کے موقع پر (۱۹۴۱ء میں) اقامت دین کی جدوجہد کے لئے پورے شعور کے ساتھ وقتی و ہنگامی سیاست سے دامن بچاکر خالص اسلامی انقلابی منہاج کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور جس پر پوری عزیمت کے ساتھ قیام پاکستان تک جماعت قائم بھی رہی تھی۔ اس موقع پر جماعت کے امیر نے اوائل فروری ۵۷ء (ماچھی گوٹ کے جماعت کے سالانہ اجتماع کے موقع پر) لفظوں میں نہیں بلکہ معنوی طور پر انقلابی منہج کو ترک کرکے "تبدیلی قیادت" کے لئے ملک کے "انتخابات" میں مستقل طور پر عملی حصہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

جماعت اسلامی کے ان چند ارکان کے دلوں پر جن میں اکابر بھی تھے اور اصاغر بھی اور جو علیٰ وجہ البصیرت اس فیصلہ کو جماعت کے حق میں مضر و مہلک سمجھتے تھے' پر جو بیتی ہوگی اس کا اندازہ اب جماعت کا ہر حقیقی ہمدرد بخوبی لگا سکتا ہے۔ اس وقت جو ارکان جماعت دل کی آنکھوں سے اس انتقال موقف کے نتیجے میں مستقبل میں جماعت کو پیش آنے والی خطرناک صورت حال کو دیکھ رہے تھے' انہوں نے مضطر دل اور نم آنکھوں کے ساتھ جماعت سے ترک تعلق کرلیا۔ اکثر نے دیگر علمی و تعلیمی سرگرمیوں کے دامن میں پناہ لی' کچھ خاموشی کے ساتھ گوشہ نشین ہوگئے اور بعض نے نرم و گرم اسالیب سے حق نصیحت ادا کرنے کی کوشش کی (جن میں ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ پیش پیش رہے اور اب بھی ہیں)

"تدبیر" کی اس غلطی نے جماعت کو جس رخ پر ڈال دیا تھا اور فی الوقت وہ جس مقام پر کھڑی ہے' اس کی ہلکی سی جھلک احساس و تاثر کے ان اشارات میں دیکھی جاسکتی ہے جس کا محترم نعیم صدیقی صاحب نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

"ایک جوان عزیز نے کہا کہ تم (نعیم صدیقی صاحب) تو بڑے اچھے اور سمجھ دار آدمی تھے' تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کیا کہتا؟ یہی کہ سرسام ہوگیا ہے اگرچہ آج کل فیشن کینسر کا ہے۔ دل میں' میں نے کہا' کتنے پکے ایمان کا آدمی ہے' کتنا زاہد و متقی اور کتنا صاحب بصیرت و شعور ہے کہ اگر کوئی خادم اسلام' اسلام کا مثلہ بھی کردے تو یہ پھر بھی خادم اسلام پر جان نچھاور کرے گا مگر مجھے پہچانتا نہیں اگرچہ مدت سے جانتا ہے"

"ایک اور شریف و متین عزیز ہیں' انہوں نے برسوں عزت کی ہے' مگر اب کہتے ہیں کہ اس شخص پر (یعنی مجھ پر) کوئی دباؤ ہے۔ اجی ہاں امریکہ کے ڈالر کا دباؤ ہوگا کسی سیاسی لیڈر کا دباؤ ہوگا' سندھ کے کسی وڈیرے یا ڈاکو کا دباؤ تو ہو ہی سکتا ہے"

"ایک شریف آدمی کہتا ہے شاید دماغ ٹھیک کام نہیں کر رہا ---! جی ہاں پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں' کبھی ریت کو چینی سمجھ لیتا ہوں کبھی گھوڑا مچھر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے"

گویا ماچھی گوٹ کے المیہ کے بعد جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والوں نے جو کچھ دل کی آنکھوں سے اس وقت دیکھا تھا اسی صورت حال کا بچشم سر محترم نعیم صدیقی آج مشاہدہ کر رہے ہیں اور ان کا دل پارا پارا ہو رہا ہے' لب پر فغاں و فریاد آ رہی ہے۔

مرحوم و مغفور سید مودودی نے ان قائدین کو دیکھ کر جن کی قیادت میں اور جس نہج سے قیام پاکستان کی تحریک چل رہی تھی' اس کو بصیرت کی بنیاد پر گویا دل کی آنکھوں سے دیکھ کر پیشگی متنبہ کردیا تھا کہ اس تحریک کی کامیابی کی صورت میں ایک "مسلم ریاست" تو وجود میں آسکتی ہے "حقیقی اسلامی ریاست" نہیں۔ اس نام نہاد مسلم مملکت میں اس کے حکمران اسلامی قوانین و شعائر کا "جھٹکا" اور "مثلہ" کریں گے لیکن وہ ذبیحہ کہلائے گا اور جیتے جی یہ لوگ غازی' مرد مومن اور مجاہد اور بعداز مرگ شہید کہلائیں گے (روایت بالمعنیٰ) ---- چشم فلک ایسے نظارے ماضی بعید و قریب میں دیکھ چکی ہے۔ اور حال ہی میں موجودہ قومی اسمبلی نے "نفاذ شریعت ایکٹ" کے نام سے دین کے مہمات امور اور دین کے اصل الاصول کا جس طرح مثلہ کیا ہے' وہ کسی بھی واقف حال اور باشعور شخص سے پوشیدہ نہیں۔ اس ایکٹ کے ذریعہ سے کوئی کورٹ خواہ وہ شریعت کورٹ ہو خواہ ہائی کورٹ حتیٰ کہ سپریم کورٹ بھی مالیات و عائلی قوانین اور قومی اسمبلی و سینیٹ مع صوبائی اسمبلیوں اور عدالتی قواعد و ضوابط کے متعلق جاری شدہ یا ازسرنو اسمبلی کے کسی منظور شدہ قواعد و ضوابط کے خلاف کسی مرافعہ (رٹ) کی سماعت کرنے اور اس پر شریعت اسلامی کی روشنی میں فیصلہ دینے کی مجاز نہیں ہے۔ گویا اس طرح ایک تیر سے کئی شکار کرلئے گئے۔ اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی بھی نفی ہوگئی کہ: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰٓئک هم

الکفرون ـــــ فاولٰیک هم الظلمون --- فاو لٰیک ہم الفسقون (المائدہ ۴۴-۴۵-۴۷) اور اس کی بھی کہ : یایها الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ--- (الحجرات--۱)

چنانچہ نفاذ شریعت کے اس ایکٹ کو سید مودودی مرحوم و مغفور کے اولین جانشین اور جماعت کے دوسرے سبکدوش امیر نے تقریر و تحریر دونوں میں "انسداد شریعت ایکٹ" ہی سے موسوم نہیں فرمایا بلکہ اسے "کفربواح" سے تعبیر کرتے ہوئے اس کو منظور کرنے اور اس پر منظوری کے دستخط کرنے والے جملہ اراکین پارلیمنٹ کو توبہ استغفار کی تاکید کے ساتھ تجدید ایمان کا مشورہ دیا جن میں موجودہ امیر جماعت بطور سینیٹر شامل ہیں اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ انہی موجودہ امیر جماعت کے لئے حال ہی میں ایم کیو ایم کی طرز پر (لیکن تشدد سے بالکل مبرا اور صاف بلکہ اسلام پسند و اسلام دوست) قائم ہونے والی تنظیم "پاسبان" کی طرف سے "قائد پاکستان" کا خطاب تجویز ہوا ہے جبکہ وہی امیر جماعت "پاسبان" کے سرپرست اعلیٰ بھی ہیں۔

الغرض سید مودودی مرحوم و مغفور نے قیام پاکستان سے قبل تحریک پاکستان کے قائدین اور اس کے کارکنان کے قول و عمل کے تضادات کی وضاحت کے لئے "راہرو پشت بمنزل" کے عنوان سے جو مضمون لکھا تھا' پس منظر اور ظروف و احوال کے فرق کے ساتھ اس کا نفس مضمون جماعت کی موجودہ صورت حال پر بڑی حد تک راست آتا اور منطبق ہوتا ہے۔

محترم نعیم صدیقی کا شمار جماعت کے سابقون الاولون کے باقیات الصالحات میں ہوتا ہے۔ موصوف کو ان کی جماعت کے ساتھ والہانہ وابستگی اور اس کے مقصد کے لئے ایثار و قربانی کی بدولت جلد ہی جماعت کے صف دوم کے زعماء میں ممتاز مقام حاصل ہوگیا تھا۔ فی الوقت بھی مناصب کے معیار سے صرف نظر کرکے دیکھا جائے تو اکابر جماعت میں میاں طفیل محمد مدظلہ کے بعد جناب نعیم صدیقی کی شخصیت ہی سامنے آتی ہے۔ جب ان کا حال یہ ہے کہ جماعت میں رہتے ہوئے اتنے بے بس ہوگئے تو کسی دوسرے کا ذکر ہی کیا۔ ان جیسے حضرات بھی اپنوں کو غیر' یگانوں کو بیگانے اور کارواں کے ساتھیوں کو غریب (اجنبی) نظر آتے ہیں تو ہم تو ہیں ہی غیر۔ ان کے دردو کرب اور اضطراب و اضطرار کو دیکھنے اور سمجھنے والا اور ان کی نصح و خیر خواہی پر کان دھرنے والا ان کو اپنے "ساتھیوں" (کامریڈز) میں کوئی نہیں ملتا تو قابل غور و فکر بات یہ ہے کہ ہماشما کے پند و نصیحت اور مشوروں کو جماعت کے لوگ کیسے اور کب کھلے دل اور کھلے کانوں سے سنیں گے جو جماعت کے مخالف بھی گردانے جاتے ہیں!---

○○

شہرباغ میں

تحریک خلافت پاکستان کا تعارف

معاونین تحریک خلافت اور رفقائے تنظیم اسلامی کی دیرینہ خواہش تھی کہ شہرباغ میں بھی تحریک خلافت کا جلسہ عام منعقد ہو تاکہ لوگوں کو اس کے پروگرام سے آگاہ کرکے ان کا تعاون حاصل کرنے کی سعی کی جائے۔ اس سلسلے میں مقامی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب جناب مولانا عبدالرحمٰن کے تعاون سے جمعہ کے خطاب کی اجازت حاصل کی گئی۔ ناظم تحریک خلافت حلقہ آزاد کشمیر راجہ محمد اکرم' برادر نذیر احمد' برادر تاج افسر خان اور راقم نے اس ضمن میں ضروری انتظامات کئے۔ اس سلسلے میں شہر کے مرکزی مقامات پر پوسٹر لگائے گئے نیز ۲۰۰ عدد ہینڈبل فوٹو اسٹیٹ کرواکر تقسیم کئے گئے۔ باغ سے دس بارہ کلومیٹر دور ریڑھ بازار میں بھی یہ ہینڈبل ایک معاون تحریک نے تقسیم کئے۔

خالد محمود عباسی نائب ناظم حلقہ شمالی پنجاب کے سپرد خطاب عام کی ذمہ داری تھی۔ موصوف نے جامع مسجد اہل حدیث میں ٹھیک ساڑھے بارہ بجے خطاب کا آغاز کیا اور ایک گھنٹہ کے خطاب میں نظام خلافت کے مختلف گوشوں پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ آپ نے وضاحت کی کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا عالمی دور دوبارہ ضرور آئے گا لیکن اس عالمی خلافت کے برپا ہونے سے قبل مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی پاداش میں کیا کچھ سزا ملنے والی' ہے اس کا خاکہ آج پورے عالم کے سامنے ہے۔ پچاس کے قریب مسلمان ممالک بظاہر آزاد ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی ذہنی' تہذیبی اور اقتصادی غلامی میں مبتلا ہیں۔ کرۂ ارض پر مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ عزت و وقار نام کی کوئی شے مسلمانوں کو بالکل میسر نہیں۔ ان حالات میں سورۂ نور کی آیت ۵۵ اور وہ احادیث نبویہ ہمارے لئے امید کی کرن اور اس کسمپرسی کے عالم سے نجات کے لئے واحد لائحہ عمل ہے جن میں خلافت ارضی' دین اسلام کے غلبہ اور خوف و پریشانی کو امن سے بدل دینے کا مشروط وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ شرائط ایمان اور عمل صالح ہیں۔ عمل صالح میں دعوت و تبلیغ' امر بالمعروف نہی عن المنکر اور نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد لازماً شامل ہے۔ یہ جدوجہد اسی طریق پر کی جانی لازم ہے جس طریق پر حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ کی اور اللہ کا دین قائم کیا۔

الحمدللہ خطاب مدلل اور جامع تھا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی نشست منعقد ہوئی۔ سوال و جواب کی ایک دوسری نشست الشہباز ہوٹل میں بعد از نماز عصر بھی منعقد ہوئی جس کے نتیجہ میں فوری طور پر ایک مقامی لیکچرر نے تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ نیز امید واثق ہے کہ عنقریب مزید حضرات تحریک سے متفق ہو کر ہمارے دست و بازو بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے---
(آمین)

(مرسلہ: شبیر احمد اعوان-- معاون تحریک خلافت)
سنگولہ' باغ- آزاد کشمیر

عالمی خلافت کی علمبردار "حزب التحریر" کے بارے میں ایک وضاحتی مکتوب

ہم میں عرب بھی ہیں اور عجمی بھی

ہمارا لائحہ عمل بھی مرحلہ وار ہے

ندیم اختر (نیویارک)

"حزب التحریر" سے تعلق رکھنے والے نیویارک کے اپنے ایک دینی بھائی ندیم اختر صاحب کا جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نام ایک مفصل خط بلا تبصرہ جوں کا توں پیش کیا جا رہا ہے۔ حزب التحریر نظام خلافت کے قیام کے لئے اپنے رنگ میں جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم ہے اور اس سے ابتدائی تعارف تو ہو چکا ہے' مفصل مذاکرات کا مرحلہ طے ہونا ابھی باقی ہے۔ دریں اثناء ہمارے قارئین کو بھی اس خط کے ذریعے کئی نئی باتیں معلوم ہوں گی جس کے مندرجات میں بعض الفاظ اور اصطلاحات اجنبی سی لگتی ہیں ـــــــ ندیم اختر صاحب کو باقاعدہ جواب بھی ارسال کر دیا گیا ہے اور ان سطور کے ذریعے مکرر عرض کیا جا رہا ہے کہ مقصد کی یکسانیت ہمیں ان شاء اللہ ضرور ایک نکتے پر جمع کر دے گی ـــــ افہام و تفہیم کے لئے یہ مشق سخن خلوص کے ساتھ جاری رہنی چاہئے ـــــــ مدیر

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام علیکم!

امید کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہوں گے۔ اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیک مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

سب سے پہلے میں آپ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ آپ نے "حزب التحریر" کو عرب نوجوانوں سے منسوب کیا ہے۔ (میثاق' اپریل 1993ء) مگر اس نکتہ کی وضاحت سے پہلے میں یہ عرض کرتا چلوں کہ یہ میری دوسری کوشش ہے جس میں اس نکتہ کو آپ کی توجہ میں لانا چاہتا ہوں۔ میرا پہلا خط مدیر ندائے خلافت جناب اقتدار احمد صاحب کے نام تھا (جو تاحال مجھے موصول نہیں ہوا ـــ مدیر) کیونکہ ندائے خلافت میں بھی کچھ ایسی ہی بات کہی گئی تھی' مگر اس کو نہ تو اس رسالے میں چھاپا گیا اور نہ ہی مجھے کوئی جواب لکھا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم نے اپنی تمام ملاقاتوں میں جو آپ سے نیویارک اور نیو جرسی میں ہوئی ہیں' اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ عربوں کی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس جماعت میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد بڑی تعداد میں شامل ہیں۔ حزب التحریر کے ارکان مسلمان مرد بھی ہیں اور مسلمان عورتیں بھی۔ بغیر اس تمیز کے کہ وہ عرب ہیں یا عجمی' سفید ہیں یا کالے۔ کیونکہ حزب التحریر سب کے سب مسلمانوں کے لئے ہے اور وہ تمام مسلمانوں کو بغیر یہ دیکھے کہ ان کی قومیت' رنگ یا مذہب (فقہ) کیا ہے' انہیں اسلامی دعوت کو اٹھانے اور اسلامی نظام ہائے حیات کو اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ حزب تمام مسلمانوں کو صرف اسلام کے نقطہ نظر سے دیکھتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کے حوالے سے وہ ان کی طرف نگاہ نہیں ڈالتی۔ لہٰذا یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ یہ عرب نوجوانوں کی جماعت ہے۔

یہاں پر میں دو نکات کو ایک ساتھ زیر بحث لانا چاہتا ہوں۔ ایک تو وہ جس میں آپ نے حزب التحریر کے قائد کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے حالانکہ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ اس کے قائد جناب عبدالقیوم زلوم ہیں اور یہ بات ہم آپ کو نیو جرسی کی ملاقات میں بھی بتا چکے ہیں۔ دوسرے بقول آپ کے یہ (حزب التحریر) عرب ممالک میں کہیں نہیں ہے بلکہ سب کی سب بیرون عرب ہے۔ (میثاق اپریل 1993ء) جبکہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ جماعت (حزب التحریر) بلاد عربیہ کے ساتھ ساتھ اکثر مسلم ممالک میں موجود ہے۔ اس جماعت کو تقی الدین النبھانی نے 1953ء میں قائم کیا اور اپنے طریقہ کار کے مطابق 50 کی دہائی میں دعوت عام دینا شروع کیا۔ یہ وہ دور تھا جس میں بلاد عربیہ میں عرب قومیت پروان چڑھ رہی تھی اور جمال عبدالناصر کی پوجا کی جا رہی تھی۔ اس کڑے وقت میں حزب التحریر نے پورے بلاد عربیہ میں ان ظالم حکمرانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی چالوں کو امت کے سامنے بے نقاب کیا۔ اس کے نتیجے میں حزب التحریر پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جانے لگے۔ اس کے ارکان کو جیلوں میں ڈالا جانے لگا۔ ان پر رزق کے دروازے بند کئے جانے لگے۔ ان کے شہری حقوق غصب کئے جانے لگے۔ ان کے پاسپورٹ چھین لئے گئے۔ ان کا پوری دنیا میں پیچھا کیا جانے لگا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے ارکان کو قتل بھی کیا جانے لگا۔

20 کی دہائی میں سوریا اور عراق میں اور 80ء

اور 90ء کی دہائی میں لیبیا اور عراق میں اس کے ارکان کو قتل کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعت کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا بھی سہارا لیا جانے لگا' مگر ان سب کے باوجود اس کے ارکان کی ہمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور وہ اسی تن دہی کے ساتھ جماعت کے پیغام کو پھیلاتے رہے۔ چنانچہ جب عرب حکمرانوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ ان کے یہ سب کے سب مظالم اور تشدد حزب التحریر کو جھکانے اور اپنے مقصد سے ہٹانے میں ناکام ہو رہے ہیں تو انہوں نے ایک نیا حربہ استعمال کیا اور حزب التحریر کی ہر طرح کی خبروں پر پابندی لگادی۔ اب حزب التحریر کے ارکان پر مقدمات بند کورٹوں میں چلائے جانے لگے اور ان کے بارے میں خبروں کو باہر نہیں نکلنے دیا گیا اور ساتھ ساتھ جماعت کے متعلق غلط اور جھوٹی افواہیں پھیلانا شروع کردیں جس میں جماعت کا ٹوٹ جانا اور اس کے ارکان کا منتشر ہوکر جگہ جگہ بکھر جانے کی جھوٹی خبریں بھی شامل ہیں۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ ان سب پابندیوں اور مشکلات کے باوجود حزب التحریر مسلم امہ میں سرایت کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے اور اب یہ جماعت اکثر مسلم ممالک میں اپنی جڑیں بناچکی ہے۔

یہاں پر میں آپ کی توجہ اس تحریر کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں جو آپ نے "میثاق" میں لکھی ہے۔ آپ کے مطابق "اصل میں وہ (حزب التحریر) جس طرح بھی ہو اقتدار پر قبضہ کرنے کے قائل ہیں راستہ چاہے کوئی بھی ہو ----- فوجی بغاوت ہو یا تخریب کاری جو بھی ہو' وہ تختہ الٹ کر نظام خلافت قائم کرنے کے قائل ہیں" (میثاق اپریل 1993ء صفحہ 12)۔ اس کے بارے میں عرض ہے کہ ہم نے اپنی تمام ملاقاتوں میں جو آپ کے ساتھ ہوئیں' یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے پاس دعوت کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے اور خاص طور پر مسجد الفاطمہ میں ہمارے مقرر جناب ندال ابو عاصی نے نہایت مفصل اور مدلل انداز میں حزب التحریر کے طریقہ کار کی وضاحت کی تھی۔ ہم نے یہ بھی واضح کردیا تھا کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے ہم کسی بھی قسم کے ہتھیار یا تخریب کاری کے قائل نہیں ہیں جس کا ثبوت آپ کے پرسنل سیکرٹری کا وہ خط ہے جو انہوں نے راشد کریم کو لکھا تھا اور جس میں ان کے مطابق اسلامی حکومت صرف دعوت سے قائم نہیں ہوسکتی۔ اور ان کا ہمارے طریقہ کار کا تصور آپ کی "میثاق" کی تحریر سے مختلف ہے۔

بہرحال میں یہاں حزب التحریر کا طریقہ کار مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ کچھ غلط فہمیاں دور ہوسکیں۔

حزب التحریر کے مؤسس مرحوم جناب تقی الدین النبھانیؒ نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اور اس کو بنیاد بناتے ہوئے حزب التحریر کے طریقہ کار کو تین مراحل میں محدود اور متعین کردیا ہے:

پہلا مرحلہ ------- مرحلہ تثقیف

دوسرا مرحلہ ------- مرحلہ التفاعل مع الامتہ

تیسرا مرحلہ ------- مرحلہ استلام الحکم یعنی حکومت کو حاصل کرنے کا مرحلہ۔ اسلام کو عمومی اور ہمہ گیر انداز میں نافذ کرنے کا مرحلہ اور پھر اسے (اسلام کو) تمام دنیا کے سامنے پیش کرنے کا مرحلہ

پہلا مرحلہ --- یہ مرحلہ حزب کے قیام اور اس کی بنیاد کا مرحلہ تھا۔ اس مرحلے میں حزب افراد کے سامنے انفرادی شکل میں اپنے فکر اور طریقہ کار کو پیش کرتی ہے۔ ان افراد میں سے جو اس کے فکر اور طریقہ کار کو قبول کرلیتے ہیں' ان کے اپنے حلقات میں ان اسلامی افکار اور احکام کی تعلیم کا بندوبست کرتی ہے جن کو وہ اختیار کرچکی ہے۔ تاکہ ایک ایسا گروپ تیار ہوسکے جو آگے چل کر لوگوں کے سامنے اسلام کو پیش کرسکے۔ حزب التحریر نے اس مرحلے کا آغاز 1953ء میں کردیا تھا۔

دلیل --- خود آنحضرت ﷺ بھی دعوت کے پہلے مرحلے میں یہی کام کیا کرتے تھے اور آپؐ کی دعوت کا یہ مرحلہ تین سال تک چلا۔ آپؐ اس مرحلے میں لوگوں کے سامنے اپنی دعوت کو اور ان باتوں کو پیش فرمایا کرتے تھے جن کے لوگوں تک پہنچانے کا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے چکا ہوتا تھا۔ پھر جو کوئی آپ پر ایمان لے آتا تھا تو آپ اس دین کی بنیاد پر اسے پوشیدہ طور پر اپنے گروہ میں شامل فرمالیا کرتے تھے۔ پھر آپ اسے بڑی شدت کے ساتھ اسلام کی تعلیم دیا کرتے تھے تاکہ وہ شخص پوری طرح اسلام کے اندر ڈھل جائے۔

دوسرا مرحلہ --- مرحلہ التفاعل مع الامتہ جب حزب التحریر اسلام کے قلب میں ڈھلے ہوئے نوجوانوں کا حزبی کتلہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور معاشرہ اس کے وجود کو محسوس کرنے لگا اور اس معاشرے کو اس کے افکار اور اس کی دعوت کا تعارف ہوگیا تو اس کے ساتھ حزب اپنے پہلے مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف منتقل ہوگئی۔ اس دوسرے مرحلے سے مراد امت کے ساتھ تفاعل کا مرحلہ ہوتا ہے تاکہ امت کو اسلام کا حامل و علمبردار بنایا جاسکے اور امت میں جو غیر اسلامی افکار اور تصورات جنم لے چکے ہیں انہیں اس سے آزادی اور نجات دلائی جائے تاکہ پھر امت خلافتی ریاست کو قائم کرنے اور خلیفہ کو نصب کرنے کے کام میں حزب کے ساتھ چل سکے۔

دلیل --- جب آنحضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ "فاصدع بما تو مر وا عرض عن المشرکین" یعنی آپ اس چیز کو کھول کر بیان کردیں جس کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکوں سے آپ صرف نظر فرمائیں تو آپؐ نے اپنے امر کو فوراً ظاہر فرمایا اور آپؐ نے قریش کو صفا پہاڑ کے پاس بلایا اور انہیں بتایا کہ آپؐ ان کے لئے نبی مرسل کی حیثیت سے مبعوث ہوئے ہیں۔ آپؐ نے ان سے اپنے اوپر ایمان لانے کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے افراد کے ساتھ ساتھ جماعتوں کے سامنے بھی اپنی اس دعوت کو پیش فرمانا شروع کردیا۔ اس دوران آپ نے قریش کو' ان کے خداؤں کو' ان کے افکار کو' سب کو چیلنج کردیا اور کفار کی سازشوں اور ان کے جھوٹے عقائد کو بے نقاب کرنا شروع کردیا۔ حزب التحریر نے بھی رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں معاشرے کی برائیوں کو کھلم کھلا چیلنج کرنا شروع کردیا۔ اس نے استعمار کے ایجنٹ مسلم حکمرانوں کی امت کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کرنا شروع کردیا۔

اب میں ذرا اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے کہی تھی کہ "راستہ چاہے کوئی بھی ہو----- فوجی بغاوت ہو یا تخریب کاری' جو بھی ہو وہ تختہ الٹ کر نظام خلافت قائم کرنے کے قائل ہیں" (میثاق اپریل 1993ء صفحہ 12) حزب التحریر نے اپنی دعوت میں صراحت کا التزام کیا ہے اور کھلم کھلا چیلنج کے انداز میں اپنی دعوت کو پیش کررہی ہے۔ تاہم وہ اپنی دعوت میں ابھی اعمال سیاست تک محدود ہے۔ وہ حکام کے خلاف یا ان کے خلاف جو اس کی دعوت کے آگے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں' مادی اعمال کو بروئے کار نہیں لاتی۔ اس کی وجہ بھی آنحضورؐ کی اقتدا ہی ہے کیونکہ جب تک آپؐ مکہ میں رہے آپؐ کے اعمال صرف دعوت تک محدود تھے اور ہجرت سے قبل تک آپؐ نے مادی اعمال میں سے کسی عمل کو بھی اختیار نہیں فرمایا تھا اور جب بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت بیعت کرنے والوں نے آپ سے

درخواست کی کہ آپ انہیں اہل منیٰ کے خلاف تلواروں کے ذریعے جنگ کرنے کی اجازت دے دیں تو آپ نے یہ کہہ کر انہیں جواب فرمایا تھا کہ ابھی تک مجھے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے تقاضا کیا کہ آپؐ ان ایذاؤں پر ویسے ہی صبر کریں' جیسا کہ آپ سے پہلے رسول ایذاؤں پر صبر کرتے رہے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علی ما کذبوا واوذوا حتی اتاھم نصرنا یعنی "آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی پس وہ اپنی اس تکذیب کے سامنے اور ان ایذاؤں کے سامنے ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی"

تیسرا مرحلہ ––– مرحلہ استلام الحکم یعنی حکومت کو حاصل کرنے کا مرحلہ ––– یہ وہ مرحلہ ہے جس میں حزب حکومت حاصل کرکے تمام کے تمام اسلام کو نافذ کرنا چاہتی ہے اور پوری دنیا کے سامنے اسلام کو پیش کرنا چاہتی ہے۔ یہ مرحلہ بھی آنحضرتؐ کی اقتدا میں اختیار کیا گیا ہے۔

دلیل ––– جب آنحضرتؐ پر مکہ کے دروازے بند ہوگئے تو انہوں نے دوسرے قبائل کے بااختیار اصحاب سے رابطہ کرنا شروع کیا اور اپنی بار بار کی ناکامیوں کے باوجود آپؐ اسی طریقہ کار پر جمے رہے یہاں تک کہ مدینہ سے چند لوگوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر دوسرے سال مدینہ کے سرداروں نے بھی آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ کو نبی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا قائد اور حکمران بھی مان لیا اور آپ کی ہر طرح اطاعت کا وعدہ بھی کیا اور اس طرح آپؐ نے مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس طریقہ کار کو اپناتے ہوئے حزب التحریر اب اس مرحلے میں داخل ہوچکی ہے اور وہ بااختیار لوگوں سے اسلام کے لئے نصرت بھی طلب کرتی ہے۔ اپنی بار بار کی ناکامیوں کے باوجود حزب اپنے اس طریقہ کار پر جمی ہوئی ہے مگر ایک اہم بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حزب التحریر باوجود کہ نصرت طلب کر رہی ہے مگر اس نے اپنے تمام پچھلے مراحل کو بھی بدستور قائم رکھا ہوا ہے۔

آخر میں جس نقطے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ اس صحیح تکتل کے بارے میں ہے جو کہ ان تمام مراحل اور امت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ضروری ہے۔ وہ صحیح تکتل جس کے ذریعے امت کی نشاۃ ثانیہ ہوسکتی ہے اس کے لئے یہ امر ضروری نہیں کہ وہ کسی ایسی جمعیت کی بنیاد پر قائم ہو جس کا جماعتی نظام اس کے لئے اسی امر کو حتمی قرار دیتا ہے کہ وہ صرف چند اعمال اور چند اقوال کو بجا لائے یا صرف کچھ اعمال کو بجالائے یا صرف کچھ اقوال کہتا رہے۔ اس نوع کے تکتل کی اس امت میں حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہئے جو اپنی نشاۃ ثانیہ کی متمنی ہو۔ اس طرح اس اس تکتل کو ان جیسی غیر مبدی احزاب کی بنیاد پر بھی قائم نہیں ہونا چاہئے جو عالمگیر جنگ عظیم اول سے لیکر اب تک عالم اسلام میں قائم ہوتی رہی ہیں۔

تکتل صحیح تو صرف وہی ہوسکتا ہے جو کہ اسلام کی حزب مبدی کی اساس پر قائم ہو جس میں حزب کے جسم کے لئے فکر کو اس کی روح کی حیثیت بھی حاصل ہو اور وہی اس کے لئے گٹھلی (یعنی جڑ یا بنیاد) بھی ہو اور یہی اس کی زندگی کا راز بھی ہو۔ اس کا پہلا خلیہ وہ انسان ہوا جس میں حزب کا فکر اور اسی فکر کی جنس کا طریقہ اس انسان میں متجسد ہوچکا ہو' پھر وہ انسان بھی اپنے فکر کی جنس کی طرح اپنے فکر کی پاکیزگی اور صفائی و ستھرائی کا مظہر ہو' اس طرح وہ اپنے طریقہ کی طرح بالکل واضح اور استقامت کا مظہر اتم ہو۔ پس جب یہ تین اشیاء یعنی عمیق فکر' واضح طریقہ اور پاک و نقی انسان معرض وجود میں آجائیں تو ان کے وجود کے ساتھ ہی حزب کا پہلا خلیہ معرض وجود میں آجاتا ہے۔ پھر یہ خلیہ اپنے وجود پذیر ہونے کے ساتھ دوسرے خلیوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہی خلئے حزب کا پہلا حلقہ بنتے ہیں اور یہی حزب کی قیادت ہوتی ہے۔

بس یہ پہلا حلقہ وجود پذیر ہوجاتا ہے تو گویا اس کے ساتھ یہی کتلہ حزبیہ نباتات کی طرح پھوٹ پڑتا ہے کیونکہ یہ حلقہ اپنے وجود پذیر ہونے کے ساتھ ہی کتلہ میں نقل یا متحول ہوجاتا ہے۔ یہاں پر آکر یہ حزبی کتلہ ایسے حزبی رابطہ کا محتاج ہوا کرتا ہے' جو ان سب اشخاص کو ایک مرکز پر اکٹھا کردے جو ایک نئے فکر اور طریقہ کو اپنا چکے ہوئے ہیں۔ اس حزبی رابطہ سے مراد وہ عقیدہ ہوتا ہے جس سے حزب کا وہ فلسفہ و ثقافت پھوٹتے ہیں جس کے مخصوص مفاہیم کی وجہ سے حزب کو امتیاز خاص حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح نہ صرف حزبی کتلہ معرض وجود میں آجاتا ہے بلکہ وہ کارزار حیات میں بھی گامزن ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے اوپر گرم و سرد فضا و ماحول بھی اپنے اثرات پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور کبھی نرم و نازک اور کبھی تند و تیز ہوائیں بھی اس پر چلنا شروع ہوجاتی ہیں اور باری باری کبھی صاف ستھری اور کبھی گرد آلود فضائیں بھی اس پر نوبت بہ نوبت اپنے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ بس اگر حزبی کتلہ ان تمام عوامل و عناصر کے سامنے ڈٹا رہے تو اس سے اس کا فکر شیشہ کی طرح صاف و شفاف' اس کا طریقہ اور زیادہ واضح اور اس کے اشخاص اور زیادہ تیار ہوجاتے ہیں اور ان اشخاص کے مابین رابطہ اور زیادہ قوی ہوجاتا ہے' پھر یہ کتلہ اپنی دعوت اور اپنے عمل میں کتلہ حزبیہ سے ایسی حزب مبدی متکامل کی طرف اپنا پہلا قدم آگے بڑھانے کے قابل ہوجاتا ہے جو صحیح طور پر صحیح قسم کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کر رہی ہو۔ یہی وہ صحیح تکتل ہوا کرتا ہے جس کی گٹھلی اس کا اپنا فکر ہوا کرتا ہے کیونکہ اسے اساس حیات حاصل ہونے کی حیثیت حاصل ہوا کرتی ہے۔

یہاں پر میں نے بہت ہی مختصراً حزب التحریر کے طریقہ کار کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ طریقہ واضح نہ ہو مگر بہرحال میرا مقصد صرف یہ باور کرانا ہے کہ حزب التحریر ایک طریقہ کار کے مطابق کام کر رہی ہے جس میں تخریب کاری کا اور مادی اعمال کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

آخر میں' میں یہ امید کروں گا کہ آپ اس خط کو میثاق اور ندائے خلافت میں شائع کرکے ہمارے موقف کی ترجمانی کریں گے اور ہمیں یہ موقعہ دیں گے کہ ہم اپنی بات قارئین تک پہنچا سکیں۔

والسلام!

فقط!

ندیم اختر' نیویارک

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں

دستیاب ہے

صفحات: ۵۶ سفید کاغذ، عمدہ طباعت، قیمت فی نسخہ - ۱۲ روپے

بھارت کی نصابی کتب میں مسلم دشمنی کا زہر

سیکولرزم کا یہ لیبل ایک دھوکہ ہے

سہمی ہوئی مسلم اقلیت کو ذہنی عذاب سے بھی معاف نہیں کیا جا رہا

ساجد حفیظ شیخ

ایودھیا میں بابری مسجد کے شہید کئے جانے کے بعد سے بھارت کی سیکولر پالیسی کے بارے میں متضاد قیاس آرائیاں اب تک جاری ہیں۔ بھارتی حکومت کا موقف یہ رہا کہ یہ سانحہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا یعنی "شیوسینا" کے عزائم کا پہلے سے اندازہ نہ ہو سکا جبکہ دانشور حلقے یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے کہ سیکولرازم کا لیبل بھارتی حکومت کے محض ایک ڈرامے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور حقیقت یہی ہے کہ یہ بھارت میں اسلام کو ختم کرنے کی سازش کا ابتدائی منظر ہے۔ البتہ ابھی تک اس تجزیے کی تائید میں کوئی ایسا حتمی ثبوت سامنے نہیں آ سکا تھا جو بھارتی قیادت کی بدنیتی کو آشکار کر دے۔ زیر نظر مضمون میں قارئین کو اس حتمی ثبوت کا انکشاف ملے گا جس کے بعد اسلام دشمن بھارتی پالیسی کے بارے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہ جاتی۔

یہ مضمون بھارتی صوبہ اترپردیش کی وزارت تعلیم کی طرف سے سکولوں کے نصاب میں اضافوں اور ترامیم کے حوالوں پر مشتمل ہے جس کے ذریعے ایک طرف مخصوص ہندو ذہنیت اور کلچر کو طلبہ پر مسلط کیا گیا اور دوسری طرف دیگر مذاہب سے خصوصی طور پر نفرت پیدا کرنے کا مواد اس میں نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ حوالہ جات بھارت میں شائع ہونے والے ایک ماہنامے "آموزگار" سے ماخوذ ہیں۔

یہ تمام اقدامات درحقیقت مسلمان نئی نسل کی برین واشنگ تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ جسمانی ورزش اور یوگا کے حوالے سے ایسی مشقیں کروانا جو اسلامی عقائد پر براہ راست حملہ ہیں اور وہ تعلیمی نصاب ترتیب دینا جس میں ڈگریاں حاصل کرنے تک فارغ التحصیل امیدوار کا ہندو کا ذہنی غلام بن جانا لازم ٹھہرے، درحقیقت ہندو کے اس جذبہ انتقام کا مظہر بھی ہیں جو محمود غزنوی، بلکہ محمد بن قاسمؒ کے بعد سے آج تک ان کے کینہ پرور دماغوں میں رچا ہوا ہے۔ انسانیت کی اقدار، شخصی آزادی کے تصورات، سیکولرازم کا فلسفہ اور خود ہندوستان کا آئین خواہ کچھ ہی کہتا ہو حقیقت یہی ہے کہ ہندو نے سہمے ہوئے مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کے لئے اس وقت کو موقع غنیمت کے مصداق تصور کیا ہے۔ یاد رہے کہ اترپردیش یعنی سابق یوپی وہی صوبہ ہے جہاں بابری مسجد کا سانحہ ہوا تھا اور جہاں اس موقع پر مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح سب سے زیادہ کاٹا گیا۔

آیئے اب ذرا ان حوالوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو اس نصاب میں سرکاری سطح پر شامل کئے گئے ہیں۔

"ہماری دنیا ہمارا سماج" کتاب برائے درجہ سوم میں "رامائن کی کتھا" کو بھارت کی تاریخ کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ یہ کتھا ایک دیومالائی کہانی ہے جس میں ہندوؤں کے دیوتا رام کی قیادت میں بندروں، لنگوروں، ریچھوں اور ہاتھیوں وغیرہ کا سمندر میں پتھروں کے ذریعے ایک راستہ بنانے کا ذکر ہے۔ اس تمام الل ٹپ طومار کو آج تک ہندو مذہبی عقیدہ سے زیادہ کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی مگر اب انتہا ہو چکی ہے کہ یہ بے سروپا وراء الفطرت قصہ جو تاریخ کی لیبارٹری میں تحقیق اور ریسرچ کے پیمانے پر صحیح اترنے کا کوئی امکان ہی نہیں رکھتا، اسے حتمی تاریخ کا رتبہ دیا جا رہا ہے۔

حصہ اول میں صفحہ ۶۴ پر یہ تاثر پختہ کیا گیا ہے کہ بھارت دیش میں صرف ہندو ہی حکمران رہے ہیں اور ہندو کی حکمرانی بھارتی تہذیب کا لازمی جزو ہے۔

"ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون" حصہ اول برائے درجہ ششم باب ۳ میں آریوں کا اصل وطن ہندوستان کو قرار دیا جبکہ ماہرین تاریخ آریا نسل کے وسط ایشیا سے ہندوستان نقل مکانی کر کے آنے کو ثابت کر چکے ہیں۔ اسی کے باب ۱۳ میں "وبھنتا میں ایکتا" یعنی کثرت میں وحدت کے عنوان سے مختلف ذاتوں، مذہبوں اور فرقوں کو ہندوستان میں رکھنے کا ذکر بے شک موجود ہے مگر متبرک مقامات کا ذکر کرتے وقت بدری ناتھ، رامیشورم، جگناتھ پوری، دوارکا ناتھ پر ذکر ختم کر دیا گیا ہے اور اجمیر شریف، مزار نظام الدین اولیاءؒ، ڈیرہ شریف، حتیٰ کہ سکھوں کے سورن مندر کا بھی ذکر ہی گول کر دیا گیا ہے۔

سکاؤٹ گائیڈ برائے درجہ ششم تا ہشتم میں صفحہ ۸۶ پر سورج نمسکار اور دیگر ورزشوں کے سبق میں بتایا گیا ہے کہ سوریہ نمسکار کے عمل کو دس حالتوں میں پورا کیا جاتا ہے۔ ان کسرتوں میں سورج کی طرف منہ کر کے ہاتھ جوڑ کر اور دوسری حالتوں میں سر جھکا کر سورج کو نمسکار کیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے علاوہ کسی کے سامنے سر جھکانے یا سجدہ کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

"نیک شکشا" کی کتاب کی ابتدا ہندو دھرم پرارتھنا سے کی گئی ہے اور ایک آدھ سبق کو چھوڑ کر سبھی اخلاقی کہانیاں ہندو دھرم سے لی گئی ہیں۔ اس طرح یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایمان داری، سچائی، دیس پریم اور خدا پرستی ہندو مذہب میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ NCERT نے درسی کتب میں اسباق کو شامل کرنے کے لئے جو گائڈ لائن دی ہے اس میں صاف طور ہدایت کی گئی ہے کہ اسباق جو کسی ایک ہی فرقہ کے مذہب یا کلچر یا حالات زندگی سے تعلق رکھتے ہوں ان کا درسی کتب میں شامل کرنا قابل اعتراض ہے۔

"بیسک اردو ریڈر" حصہ اول کے کور کی پشت پر ہندو مذہب کی ایک پرارتھنا ہندی رسم الخط میں چھپی ہے۔

"گیان بھارتی" حصہ چہارم سے سمراٹ اشوک، سنت کبیر، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور مہاتما گاندھی کے اسباق خارج کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح بودھ مذہب، کبیر پنتھی اور اسلام سے متعلق اسباق کو نکال کر ہندوازم اور ہندو مذہب کو بچوں کے ذہن پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پرائمری اور جونیئر اسکولوں کی کتابوں کے کور کی پشت پر ہندو مذہب کی پرارتھنا چھاپی گئی ہے جب کہ

اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

ہائی اسکول اتہاس حصہ اول میں باب ۲ میں وادی سندھ کی تہذیب کا نام بدل کر ہڑپا تہذیب کا نام دیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں باب ۳ صفحہ ۴۶ '۴۷ اور ۴۸ پر تحریر کیا گیا ہے کہ آریہ بھارت میں باہر سے نہیں آئے بلکہ وہ اسی ملک کے باشندے تھے۔ باب ۱۰ میں راجپوتوں کو بھارت پر حملہ کرنے والی غیر ملکی ذاتوں کی اولاد بتایا گیا ہے۔ خاص کرشک' سیتھین' کشان اور ہن غیر ملکی ذاتوں اور آریوں کے اختلاط سے جو اولادیں ہوئیں وہ راجپوت کہلائیں۔

راجپوتوں کی پیدائش سے متعلق اگنی کنڈ کی ایک دیو مالائی کہانی کا بھی ذکر اسی باب میں کیا گیا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۸۴ پر "اسلام کا آغاز اور سندھ پر عرب حملہ" میں لکھا گیا ہے کہ: "اس غریب دیس (عرب) میں اسلام مذہب کو آغاز میں ہی بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ حالات کی مجبوری کی وجہ سے دھیرے دھیرے اس نے فوجی مذہب کی شکل اختیار کر لی اور طاقت کے بل پر تیزی سے بین الاقوامی مذہب بن گیا"۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح میں اسی صفحہ میں لکھا گیا ہے کہ: "حضرت محمد صاحب کا رابطہ اپنے تجارتی سفروں میں یہودیوں اور عیسائیوں سے ہوا۔ ان سے ملنے اور مذہبی غور و فکر سے انہیں وحدانیت کا علم ہوا"۔

یہ بات اسلامی بنیادی عقائد پر انتہائی شدید حملہ ہے۔

صفحہ ۱۸۵ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت کو فرار کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک رسول کے لئے اس لفظ کا استعمال انتہائی توہین آمیز ہے۔

صفحہ ۱۸۶ پر "سندھ پر عربوں کا حملہ" کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ عربوں کو اسلامی مذہب کی اشاعت اور توسیع کے جوش نے ہندوستان کی طرف متوجہ کیا۔ صفحات ۱۸۷-۱۸۹-۲۲۳-۲۲۸-۲۳۰-۲۳۱ اور ۲۵۷ پر تحریر ہے کہ عرب حملہ آوروں کو بھارت کی لوٹ میں سب سے قیمتی چیز بھارت کی تہذیب ملی۔ بھارت کی تہذیب عرب تہذیب سے کہیں آگے تھی۔ عرب انتظامی امور میں ماہر نہیں تھے۔ وہ بنیادی طور پر تاجر تھے۔ ترک سلطانوں کے بارے میں لکھا گیا ہے اسلام کی تلوار خلفاء سے ترکوں کے ہاتھ میں آگئی۔ انہوں نے حوصلہ اور تلوار سے اسلام کی اشاعت کی۔

یہ کرم ہم پر پہلے بھی ہوئے -- سپین میں مسجد کی شکل کا ایک قحبہ خانہ

صفحہ ۲۲۸ پر علاؤالدین خلجی پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے صرف ہندوؤں پر پیداوار کا پچاس فیصد ٹیکس لگایا اور ہندوؤں کے ساتھ فراخ دلی سے کام نہیں لیا بلکہ اس نے غیر مسلم جنتا کو کوئی حفاظت نہیں دی۔ اس کی حکمت عملی اکثریتی فرقہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔

صفحہ ۲۶۷ پر لکھا گیا ہے کہ سکندر لودھی نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو تڑوایا' ہندوؤں کو سزائیں دیں۔ صفحہ ۲۷۰ پر تحریر ہے کہ سلطان التمش نے مالوہ پر حملہ کر کے اس کی خوب صورت راجدھانی اجین کو لوٹا اور پھر مندر کو برباد کیا۔

صفحہ ۲۸۴ پر لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ڈر سے کم عمر لڑکیوں کی شادی' جوہر' جادو ٹونا' پردہ جیسی اندھی تقلید کا رواج ہوا۔

صفحہ ۲۹۰ پر تحریر ہے کہ ہندوؤں کی کڑی سماجی بندشوں' چھوت چھات اور بھید بھاؤ کے برتاؤ کی وجہ سے بہت سے نیچی ذات کے لوگ مسلمان بنے اور بہت سے لوگوں نے معاشی دباؤ سے مجبور ہو کر اسلام مذہب قبول کیا۔ بھارت میں اسلام کا پھیلاؤ اس کے آسان اصولوں کی وجہ سے اتنا نہیں ہوا جتنا تلوار کے ڈر سے۔ ایسے بہت کم لوگ تھے جو مسلمان سنتوں کے چمتکار سے متاثر ہو کر ان کے مرید بن گئے ہوں۔ سنت کسی کو اسی وقت تربیت دیتے تھے جب خواہش مند شخص اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔

ہائی اسکول اتہاس (تاریخ) حصہ دوم - باب ۵ میں تحریر ہے کہ اورنگ زیب نے کئی ایسے کام کئے جسے ہندو مخالف کہا جاتا ہے۔ اس کے ۱۶۸۹ء کے حکم نامہ کے نتیجے میں بنارس کا وشوناتھ مندر' متھرا بندرابن کا کیشو راؤ مندر' سومناتھ کا مندر اور دوسرے بہت سے مندر گرا دیئے گئے۔ اورنگ زیب پر یہ بھی الزام ہے کہ اس نے گوکل کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اس کے خاندان کو مسلمان بنا لیا۔ گرو گوبند سنگھ کو اسلام دھرم نہ قبول کرنے پر قتل کروا دیا اور ان کے دو بیٹوں کو اسلام نہ قبول کرنے پر دیوار میں چنوا دیا گیا۔

باب ۶ کے سبق میں مذہبی پالیسی کے عنوان سے صفحہ ۱۴۶ پر تحریر کیا گیا ہے کہ بھارت میں مغل خاندان کی بنیاد رکھنے والا بابر ایک عالم اور مہذب شخص تھا لیکن اس کے کاموں کا مطالعہ کرنے پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ہندو رعایا کو وہ اختیارات نہیں دے سکا جو کہ مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اس نے بابر نامہ میں ہندوؤں کو کافر کہا ہے۔ ان سے لڑی گئی جنگوں کو جہاد کا نام دیا ہے۔ اس کے دور حکومت میں چندیری اور ایودھیا کے مندروں کو گرایا گیا۔ بابر کے مقامی حاکم میرباقی نے ایودھیا میں توڑے گئے مندر کی جگہ مسجد تعمیر کی۔ اگرچہ یہ عمارت متنازعہ ہے پھر بھی ہندو جنتا اسے ایک مندر مانتی ہے۔

جہانگیر کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ مسلم نوجوانوں کے ہندو سادھوؤں سے لگاؤ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ بھی کبھی اسلام محافظ کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور اپنے کو غیر مسلموں کا راجہ نہیں سمجھتا تھا۔

شاہ جہاں کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ کٹر پنتھی مسلمان تھا۔ اس نے بہت سے ہندو مسلم اتحاد ریت رواج کو ترک کر دیا۔ یہی نہیں اس نے نئے مندروں کی تعمیر اور پرانے مندروں کی تزئین (جیون ادھار) پر روک لگا دی۔

باب ۶ میں لکھا گیا ہے کہ دور مغلیہ میں عورتوں کی حالت اچھی نہ تھی۔ مسلمان حکمرانوں اور سرداروں کے برے چلن کے سبب بچپن کی شادی

(باقی صفحہ ۶ پر)

یہودیوں کے ایک فرقے نے اپنا "مسیحا" کھڑا کر دیا ہے

جیسی روح ویسے فرشتے

جسمانی طور پر مفلوج اور ذہنی طور پر معذور ربی کیا مسیحائی کرے گا!

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

امریکی اخبار "دی نیویارک ٹائمز" نیویارک نے گذشتہ جنوری میں یہودیوں کے ایک گروہ کے مناہیم منڈیل شانی ارسن کے بارے میں انکشاف کیا کہ انہوں نے باقاعدہ "مسیحا" ہونے کا اعلان کردیا ہے۔ یہودیوں کے اس فرقے کو جسے ہم ان کی "جمعیت مشائخ" قرار دے سکتے ہیں' زیادہ پذیرائی اگرچہ امریکہ کے بعض علاقوں میں ہی میسر ہے تاہم اس کے اثرات خود اسرائیل میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک دوسرا گروہ یہ تو مانتا ہے کہ ربی شانی ارسن مسیحا ہونے کے اہل ہیں مگر ان لوگوں کے خیال میں معذوری کی وجہ سے وہ جسمانی طور پر اس کے قابل نہیں رہے اور چونکہ وہ بات چیت بھی بالکل نہیں کرسکتے اس لئے کچھ لوگ ان کی غلط ترجمانی کرتے ہیں اور ان کی حیثیت کو اپنی مرضی کا رنگ دے کر من مانی کرنا چاہتے ہیں۔

ایک سال قبل نوے سالہ ربی عارضہ قلب کے ایک شدید حملے کے باعث معذور ہوگئے تو ان کے مسیحا ہونے کی بحث بھی شدت اختیار کرگئی جس کے اثرات اب امریکہ کے علاوہ اسرائیل میں بھی پہنچ گئے ہیں۔ ربی کی معذوری اور ان کے جانشین کی عدم موجودگی نے اس یہودی فرقے جیسی منظم تحریک کو قیادت کے ایسے مسئلے سے دوچار کردیا ہے جس سے نبرد آزما ہونے کے لئے ان میں اتفاق رائے پیدا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگرچہ یہ ایک خالص مذہبی بحث ہے جس کا تعلق یہودیوں کے بعض بنیادی عقائد سے ہے مگر سیاسی طور پر بھی اس کی زبردست بین الاقوامی اہمیت ہے۔ یہودی جس طرح بالکل الگ تھلگ ہوکر اپنے آپ کو منظم رکھتے ہیں' اس کا اندازہ آپ ان کے اس رویہ سے کرسکتے ہیں جو نیویارک کی سیاست پر ان کے تسلط کا مظہر ہے۔ گذشتہ دسمبر اس فرقے کے ایک رکن کے ہاتھوں ایک سیاہ فام کی پٹائی پر نیویارک کے میئر' ڈیوڈ این ڈ ںکمنز نے اس کی مذمت کردی تو یہودیوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور اپنے شدید غم و غصے کا اظہار کیا' یہاں تک کہ اس گروہ کی قیادت کو مداخلت کرکے بیچ بچاؤ کرانا پڑا لیکن موجودہ تعطل کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوچکی ہے اس پر شہری انتظامیہ کے ایک اہلکار نے یہ کہہ کر مایوسی ظاہر کی کہ "سمجھ میں نہیں آتا' اب وہاں کس سے بات کی جائے۔"

اسی طرح ایک اور سرکاری اہل کار کہتے ہیں جو "کراؤن ہائٹس" کے یہودیوں اور سیاہ فاموں کے درمیان ہونے والے امن مذاکرات میں شریک رہے ہیں "اگر یہ لوگ آپس کے اختلافات دور نہیں کرتے تو ان کی وہ دھاک ختم ہوجائے گی جو ان کے ایک زبان ہوکر بات کرنے سے بیٹھ گئی تھی"۔ خود یہودی تنظیموں کے بعض رہنما بھی اس اختلاف کو خاصا تشویشناک تصور کرتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ آئندہ اتوار جب شانی ارسن ایسٹرن پارک میں اس فرقے کے مرکزی سناگاگ کی بالکونی میں دیدار کے لئے آئیں گے تو یہ محاذ آرائی فیصلہ کن صورت اختیار کرجائے گی کیونکہ ان کو مسیحا قرار دینے والا گروہ ان کی "تاجپوشی" کی رسم بھی ادا کرنا چاہتا ہے جسے مواصلاتی سیارے کے ذریعے پوری دنیا میں ٹیلی ویژن پر دکھانے کا پروگرام ہے۔

مخالف گروہ کے مطابق یہ "تاجپوشی" ایک بالکل "فضول" حرکت ہے کیونکہ اول تو ربی کا وہاں تک پہنچ سکنا ہی غیریقینی ہے اور اگر کسی طرح وہ آ بھی جائیں تو اس ڈھونگ کے لئے عالمی ٹیلی ویژن کی سہولت کا استعمال غیرمعقول ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا میں یہودیت کا مذاق اڑے گا۔ جواب میں مسیحائی کے دعویداران اعتدال پسندوں کے خلاف اپنی مہم بڑے زور و شور سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ فیکس مشینوں کی "جنگ" لڑی جا رہی ہے۔ دونوں جانب سے جواب اور جواب الجواب اخباری اداروں کو فیکس کے ذریعے جاری کئے جا رہے ہیں۔ کراؤن ہائٹس کی کنگسٹن ایونیو سے گزر ہو تو یہ سڑک رنگا رنگ اشتہارات سے بھری نظر آتی ہے۔

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ "مسیحا" اپنی آمد کا اعلان کرنے کے بعد عالمی امن کے ایک نئے دور کا آغاز کریں گے' تمام یہودیوں کو لاکر اسرائیل میں بسائیں گے اور یروشلم میں دوبارہ ہیکل تعمیر کریں گے۔ جس کے بعد مردے قبروں سے جی اٹھیں گے۔ ربی شانی ارسن کو مسیح ماننے والوں کے نزدیک ان واقعات کا ظہور اب بہت نزدیک ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ربی کی اس وقت جو جسمانی کیفیت ہے' اس میں وہ تھوڑا بہت ضروری انتظار بھی کرنے کے قبل ہوں گے؟ سیموئیل - سی - ہیلمین جو کوئینز کالج میں سوشیالوجی کے پروفیسر اور مذہب پرست یہودیوں سے متعلق کتاب <Defenders of The Faith" کے مصنف ہیں' کہتے ہیں۔ "ربی شانی ارسن کا معاملہ عجیب شکل اختیار کرگیا ہے۔ وہ نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ اپنے پیروکاروں کے درمیان موجود تو ہیں لیکن ان کے ساتھ گفتگو نہیں کرسکتے۔ ان کے ہر فعل و عمل کی کسی کو ترجمانی کرنا پڑتی ہے لہٰذا سارا انحصار اس پر رہ گیا ہے کہ کون ان کا ترجمان ہے"

یہ بحث اس لئے بھی ختم ہونے میں نہیں آرہی کہ گاہے بگاہے ایسٹرن پارک وے کے سناگاگ میں عبادت کے دوران اب بھی ربی کی آمد ہوتی رہتی ہے۔ ان کے عقیدت مند نحیف و نزار ربی کو ایک

مخصوص بالکونی میں ویل چیئر پر دیکھتے ہی جذباتی ہو کر بے اختیار یہ ترانہ الاپنے لگتے ہیں۔ "ہمارے آقا ہمیشہ زندہ رہیں' ہمارے معلم ہمارے ربی' مسیحا' شہنشاہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہیں" عبادت میں شامل دوسرے لوگ بھی اس موقع پر کھڑے تو ہو جاتے ہیں' چاہے مجبوری کی حالت میں چپ چاپ رہیں اور ترانے میں اپنی آواز بھی شامل نہ کریں۔ جو لوگ ربی کی ترجمانی کے ذمہ دار ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب ہم اپنے بادشاہ' مسیحا کا ترانہ گاتے ہیں تو ہمیں ربی کی باقاعدہ خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ ربی یوناح ارزون نے بتایا "دیکھئے! جب ہم یہ گیت گاتے ہیں تو وہ ہاتھ اور سر کے اشاروں سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں حالانکہ چند سال قبل تک انہوں نے اس ترانے سے روک رکھا تھا۔ بہرحال مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اب انہوں نے 'مسیحا' کا کردار قبول کر لیا ہے۔"

خیال ہے کہ حضرت مسیح کا نزول ایک ایسے دور میں ہو گا جو امید افزا ہو گا تو ساتھ ہی ہیجان خیز بھی ہو گا۔ اس کے پیش نظر بیشتر یہودیوں کے اس گروہ کے لوگ اپنے اس یقین کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ دور اب آیا ہی چاہتا ہے۔ کراؤن ہائٹس میں 1991ء کے نسلی فسادات کو یہ لوگ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جو ربی کی کسی کار سے حادثاتی طور پر ایک سیاہ فام بچے کے کچلے جانے پر شروع ہوئے تھے اور جن میں ایک 29 سالہ یہودی دانشور مارا گیا تھا۔ لیکن اس فرقے کے پیروکاروں کا غیض و غضب اپنی انتہا کو اس وقت پہنچا تھا جب وہ نوجوان بری ہو گیا جس پر قتل کا الزام تھا۔ یہ تو ہیجان کی کیفیت تھی اور امید افزا علامات دیوار برلن کا گرنا' ہزاروں یہودیوں کی روس سے اسرائیل منتقلی اور خلیج کی جنگ میں اسرائیل کو کسی گزند کا نہ پہنچنا ہیں جن کی پیشین گوئی ربی شانی ارسن نے کی تھی۔

چونکہ موجودہ ربی شانی ارسن جنہوں نے اپنی چالیس سال کی محنت سے "ہالو کاسٹ" (Holocaust) سے زندہ بچ رہنے والے تارکین وطن کو یہودی دنیا کے اس سب سے بڑے فرقے کی شکل میں منظم کیا' سات بڑے ربیوں کے شاہی سلسلہ کی آخری کڑی ہیں جن کا کوئی وارث اور جانشین موجود نہیں' اس لئے ان کا مسیحا ہونا ناگزیر ہے۔ "شاہ مسیح" کے سب سے نمایاں اور پرجوش ترجمان ربی شموئل بتیمین ہیں جو اگست 1991ء کے فسادات کے دوران یہودیوں کے نمائندہ کی حیثیت میں سامنے آئے اور اب عالمی مسیحا تحریک کے چیئرمین ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں "دی نیویارک جیوش ویک" میں پورے صفحے کا ایک اشتہار شائع کروایا ہے جس میں ربی شانی ارسن کی تصویر کے ساتھ "بادشاہ مسیح زندہ باد" کا نعرہ درج ہے لیکن ربی یہودا کرنسکی جو تیس سال سے زائد عرصہ یہودیوں کے اس گروہ کے باضابطہ ترجمان رہے ہیں' اسے "بددیانتی" خطرناک جسارت اور خوفناک بلکہ ناپاک سازش قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "ربی کی شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اس سے بڑی کوشش کیا ہوگی کہ اپنی شان میں ترانہ گائے جانے پر ربی کے ہاتھ یا سر کی جنبش ایک باطل دعوی کی سند قرار پائے' یہ دھوکے بازی ہے۔ ربی کرنسکی نے بہرحال یہ کہنے سے احتراز کیا کہ ربی شانی ارسن مسیحا نہیں۔ انہوں نے کہا یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی تردید تو نہیں کرتے جو انہیں مسیحا سمجھتے ہیں لیکن یہ ان کی ذاتی رائے ہے' اس فرقے کا فیصلہ یا رائے نہیں۔ ان کے برعکس ربی بتیمین کہتے ہیں کہ یہودیت کی اس تحریک کے اصل ترجمان خود ربی شانی ارسن ہیں' کسی دوسرے شخص کو ان کی ترجمانی کی ضرورت نہیں۔

امریکہ اور اس سے باہر قدامت پسند یہودیت کی اس تحریک کے ڈیڑھ ہزار مراکز کا جال پھیلا ہوا ہے جن میں سے اکثریت ربی کی تاجپوشی کے لئے آمادہ ہے۔ گو یہودیوں نے ہمیشہ حضرت مسیح کی آمد کی دعائیں مانگی ہیں مگر وہ جھوٹے مسیح سے دھوکہ نہیں کھانا چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جھوٹے مسیحوں سے انہیں رنج و الم کے سوا کبھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہودیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ (نعوذ باللہ) جھوٹے مسیحا تھے۔ یہی ان کا خیال سترہویں صدی کے ربی شبتائی تزوی کے بارے میں تھا جس نے ہزاروں یہودیوں کو یروشلم کی جانب کوچ کرنے کے لئے تیار کیا مگر ترکوں سے ڈر کر خود مسلمان ہو گیا۔

اگرچہ اعتدال پسند اور سیکولر یہودیوں نے تو کبھی بھی "مسیحائی" کی نوید پر کسی جوش اور ولولے کا اظہار نہیں کیا لیکن اس بار کٹر یہودی بھی اکثر و بیشتر اس سے لاتعلق دکھائی دیتے ہیں۔ آٹھ سو آرتھوڈاکس ربیوں پر مشتمل ربینیکل کونسل آف امریکہ کے سابق صدر ربی فارک ڈی اینجل نے اس پر یوں تبصرہ کیا۔ "یہودیوں کے قدیم عقیدے کی رو سے حضرت مسیح کا ظہور عالمی امن کے دور کا پیش خیمہ ہو گا۔ ربی شانی ارسن کی عظمت اور احترام اپنی جگہ' مگر وہ تو اپنے علاقہ 'کراؤن ہائٹس' میں بھی امن نہیں لا سکے"

ربی شانی ارسن کے جانشین کے بارے میں کئی سالوں سے ماہرین اندازے لگا رہے ہیں۔ (یہ الگ بات ہے کہ ان کے اپنے حلقے کے اندر اس پر کبھی بات نہیں ہوئی) مین ہٹن "انسٹی ٹیوٹ فار جیوش ریسرچ" کے ڈائریکٹر' ایلین نڈلر کا کہنا ہے کہ مسیحائی کے دعوے کے نتیجے میں ربی اعظم شانی ارسن اس تقدس سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے جو انہیں بطور ربی حاصل تھا۔ "جب آپ ایک شخص کو مسیحا تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کے جانشین کا سوال کہاں باقی رہتا ہے"؟ یعنی دعوائے مسیحائی نہ ہوا' کھیل بچوں کا ہوا!! ○○

... قصور اپنا نکل آیا

میساچوسٹس کے جیمز گڈپاورز کے خط کا ایک پیرا جو "بوسٹن گلوب" (شمارہ 3 مئی) میں شائع ہوا' یوں ہے:

"بوسنیا میں سربوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی نسل کشی نے دور خلافت کے مسلمانوں کی افسانوی شجاعت و مردانگی کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ پوری مسلم دنیا اہل مغرب کو خواجہ سراؤں کی طرح برا بھلا کہنے میں مصروف ہے۔ مغرب اور امریکہ کے اپنے بھی داخلی اور خارجی مسائل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی دولت مونٹی کارلو کے قمار خانوں اور عیاشیوں میں اڑاتے پھریں تو مغرب والوں کو کیا پڑی ہے جو ان کی حفاظت کا ذمہ لیں۔ مسلمان عوام کو اس صورت حال پر اپنے حکمرانوں سے جواب طلب کرنا چاہئے نہ کہ مغرب سے" (ماخوذ از "خیلی فورنیا" کیلی فورنیا' امریکہ --- مارچ' اپریل 93ء)

حضرت مسیح کا نزول ایک امید افزاء لیکن ہیجان خیز دور میں ہو گا اور یہودیوں کا خیال ہے کہ ان کے مسیحا کی آمد کا وقت اب آگیا ہے

نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کو دینی جماعتوں نے اللہ کی طرف سے سزا قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک نواز شریف نے اپنے منشور پر عمل نہ کیا۔ نہ صرف عمل نہ کیا بلکہ شریعت بل اور دیگر اقدامات کے ذریعے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے اور سردار آصف احمد علی جیسے اپنے وزیروں کے ذریعے اسلام اور اسلامی نظام کا تمسخر اڑوایا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہوا اور دینی جماعتوں کا اسے عذاب الٰہی کہنا درست ہے۔ لیکن ایک بات جس نے حیران و پریشان کردیا اور دل کو دکھایا بھی' وہ یہ ہے کہ انہی دینی جماعتوں اور ان کے اکابرین کو اس وقت ان باتوں کا ہوش کیوں نہ رہا جب وہ اسی جیسے لوگوں بلکہ خود سردار آصف احمد علی کے ساتھ حلف اٹھاکر نگران حکومت کے وزیر اور مشیر بن رہے تھے؟ کیا ان کے وزیر یا مشیر بن جانے سے وہ شخص پاک و صاف ہوگیا یا وہ اپنے سابقہ اور موجودہ اعمال کی وجہ سے خود عذاب الٰہی کے گرداب میں پھنس گئے ہیں؟

دکھ کی ایک اور بات یہ ہے کہ جب سے ہمارے دینی رہنما وزیر بنے ہیں' ایک بار بھی شریعت کی بالادستی کی بات نہیں کی۔ لگتا ہے کہ ہماری دینی جماعتیں ایک مرتبہ پھر اقتدار کی دہلیز پر سیکولر عناصر کی سازش سے سجدہ ریز ہوگئی ہیں اور اب ان کی زبان پر قفل لگ گئے ہیں لیکن اگر دوسرے رخ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مذہبی سیاسی جماعتوں کے یہ رہنما بے تاب و بے چین بیٹھے تھے کہ وزیر بن کر لطف اٹھانے کا موقع انہیں کیوں نہیں مل رہا جیسے ہی یہ موقع ہاتھ آیا' وہ فوراً لپکے کہ اگر یہ نادر موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر شاید اقتدار کے قرب کا مزا نصیب نہ ہو۔ یوں ان حضرات نے ثابت کردیا کہ ان کی ساری جدوجہد دیگر جماعتوں کی طرح حکومت کے لئے ہے اور اصول نام کی کوئی شے ان کے پاس بھی نہیں۔

رؤف اکبر' ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی

ایک مکتوب جو گہری توجہ کا طالب ہے

کتھاڑ ڈڈیال آزاد کشمیر

21 مئی 93ء

عزت مآب جناب ذی وقار ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام و علیکم و رحمتہ اللہ

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور صحت و تندرستی عطا فرمائے (آمین) خاکسار ایک طالب علم ہے جس کی فکر خام اور کام کی استعداد محدود۔ کالج کے چار پانچ سالہ دور میں ایک آزادی پسند تنظیم سے وابستہ ہوں۔ عرصہ تین سال سے' ماہنامہ "میثاق" "حکمت قرآن" اور آپ کی تصنیف کردہ چند دیگر کتب سے استفادہ کا موقع ملا جبکہ خط لکھنے کا مدعا' آپ کی بالخصوص وہ تحریریں ہیں جو میثاق میں اپریل و مئی 93ء میں بعنوان "امریکہ میں مسلم فنڈا مینٹلزم کا فروغ" اور "احیائی تحریکوں میں تشدد اور دہشت گردی کا رجحان" شائع ہوئیں۔ ایک آزادی پسند تحریک سے بالعموم اور آزادی کا حصول اور اسلامی انقلاب کے خواب سے وابستہ ہونے کے ناطہ سے بالخصوص یہ فکر پریشان کئے ہوئے تھی۔ کیا وجہ ہے' بعد از آزادی' مسلمان ممالک کی حالت بد سے بدتر ہوگئی اور اسلامی نظام کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ جیسا کہ الجزائر' افغانستان وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں ہوا۔ نیز اگر کبھی اللہ کی رحمت سے کشمیر' فلسطین اور بوسنیا والوں کو غیر مسلم قوتوں سے نجات و آزادی ملی تو ان کا حشر بھی یقیناً اس سے مختلف نہ ہوگا۔ یہ ایک پریشان کن صورت حال ہے جو ساری دنیا کی اسلامی انقلاب کی داعی تنظیموں کو فکر و عمل کی دعوت دیتی ہے۔ آپ کے درج بالا مضامین میں سے ایک اہم نکتہ جہاد حریت اور جہاد فی سبیل اللہ میں قائم حد فاصل کا خاتمہ ہے اور دوسرا منزل کے حصول کی راہ میں غلطی۔ تمام جماعتوں نے "جہاد" کے مطلوبہ معیار پر اترے بغیر' محض کشت و خون کو ہی حقیقی جہاد سمجھ لیا۔ لفظ آزادی سے سچی و فطری لگن آزادی کے حصول کو تو ممکن بناسکتی ہے۔ لیکن بعد از آزادی وہی استعماری نظام کیونکہ ان تحریکوں کے داعی خود اس راہ کے مسافر نہیں ہوتے' جو سنت نبویؐ کے عین طریقہ کار پر استوار ہو۔ آپ نے اس اہم اور نازک موضوع کو زیر بحث لاکر' صحیح سمت کا تعین کرنے کی جو سعی کی ہے آپ سے استدعا ہے کہ اپنے قلم کو اس رخ پر مزید حرکت دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فکر کی برکت سے سب کو ٹھیٹھ خطوط پر جدوجہد کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امتیاز حسین راجہ

بقیہ افتتاحیہ

بس ایک مراد ہے' اللہ تعالیٰ اس وطن کو عدم استحکام کی آندھیوں سے بچائے رکھے جس میں ہم احیائے اسلامی کی عالمی لہر کے آغاز اور قیام نظام خلافت کی امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف صاحب کا فوری مڈ ٹرم الیکشن کی تجویز سے اختلاف (اگر وہ ہے تو) اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ مروجہ معیارات کے مطابق الیکشن کو جیتنے اور اسمبلیوں میں پہلے سے بہتر عددی قوت حاصل کرنے کی جس قابل رشک حیثیت کے وہ آج مالک ہیں ویسے امکانات کو پھر سے خواب میں بھی دیکھنا بوجوہ ان کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ ان کے حق میں جیسے بھی چلی' ایک رو چل نکلی ہے اور رو میں بہت کچھ روا ہوجاتا ہے۔ وہ نئے عام انتخابات کو اپنی ناک کا مسئلہ نہ بنائیں اور مزید وقت ضائع کئے بغیر از خود تازہ مینڈیٹ کے لئے الیکشن کا اعلان کردیں تو بے یقینی کا عرصہ کم ہوجائے گا' ویسے غیر محدود نہ رہے گا جیسے ان دنوں ہے اور یہی بات ملک و قوم کے سیاسی مفاد میں ہے ------ بلکہ ان کے ذاتی اور کاروباری مفاد میں بھی!○○

ڈاکٹر اسرار احمد
کا کتابچہ
ہجری سالِ نو اور
سانحہ کربلا
مع کربلا کی کہانی حضرت ابوجعفر محمد باقرؒ کی زبانی
اس موضوع پر حقیقت بینی اور اعتدال پسندی کے اعتبار سے ایسا شاہکار ہے جس نے
عوام و خواص سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے
خود پڑھیئے اور دوسروں تک پہنچایئے
۴۸ صفحات ۔ اعلیٰ آفسٹ پیپر ۔ قیمت ۴ روپے
ناشر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نمبر ۱۴

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

تازہ انتخابات ضروری ہیں' قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے پولنگ بیک وقت ہونی چاہئے

جب تک انتخابی عمل میں حصہ لینے والی مذہبی جماعتیں متحد نہ ہو جائیں' الیکشن میں اسلام کا نعرہ نہ لگایا جائے

سیاست دین سے جدا نہیں لیکن غیر اسلامی نظام میں انتخابی سیاست ہمارے لئے حرام کا درجہ رکھتی ہے

لاہور ۴ جون ڈاکٹر اسرار احمد نے ملکی سیاست پر تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگرچہ ہم موجودہ انتخابی سیاست میں فریق نہیں تاہم اپنے وطن کی سلامتی اور بقاء کے لئے ایک آزادانہ اور منصفانہ الیکشن کی فوری ضرورت محسوس کرتے ہیں جو کسی ایسی غیر سیاسی حکومت کے زیر انتظام فوج کی نگرانی میں کرائے جائیں جو کسی بھی طرح کی کوئی سیاسی یا گروہی وابستگی نہ رکھتی ہو۔ مزید برآں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے پولنگ بیک وقت ہونی چاہئے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا' اسلام میں سیاست دین سے جدا نہیں بلکہ یہ وہ کام ہے جو خود رسولوں نے کیا پھر اگرچہ کسی غیر اسلامی ریاست میں بھی عوام کی بہبود کے لئے تو کوئی منصب قبول کیا جاسکتا ہے لیکن غیر اسلامی نظام میں جوڑ توڑ اور اصولوں پر سمجھوتہ کرکے حکومت کا حصول یا اس میں شرکت ہمارے نزدیک حرام ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان دوسرے مسلمان ممالک کی طرح ایک مسلمان ملک ہے لیکن اسے ایک اسلامی ریاست ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ انہوں نے سوال کیا کہ وہ ریاست اسلامی کہلا سکتی ہے جس کا نظام تو کجا' قوانین بھی اسلامی نہیں؟ وہ حدود کاغذوں میں ہوں گی جن کا عملی نفاذ آج تک یہاں دیکھا نہ سنا' زکوٰۃ کے نظام کی برکات کیا یہی ہیں جو اپنے ملک میں نظر آتی ہیں؟ کیا اسلامی ریاست کے رگ و ریشے میں اسی طرح سود سرایت کئے ہوتا ہے؟ اور ہمارا تو انفرادی اور اجتماعی مزاج بھی سیکولر بن گیا ہے۔ ایمان کی حرارت تو کیا عقیدے کی قوت بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آتی۔ ایمان کے بڑے سے بڑے تقاضے کو ہم چھوٹے سے چھوٹے ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جس معاشرے کا رنگ یہ ہو اس میں نظری سیاست تو ہر مسلمان کو ہر وقت کرنی چاہیے کیونکہ نصیحت کا حق بہرحال ادا کرنا ہے لیکن عملی سیاست کے انتخابی نہج کو اختیار کرنے کا ہرگز کوئی جواز نہیں۔ خاص کر جس نے اپنا جینا و مرنا دین کے لئے کرلیا ہو اور اپنی ترجیحات کو دین کے حق میں طے کرلیا ہو اس کے لئے واحد راستہ انقلابی سیاست کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مروجہ سیاست کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے مجھے بھی کم مواقع نہیں ملے لیکن میرا انتخاب نظری اور انقلابی سیاست رہا اور ان شاء اللہ یہی رہے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میری باتوں میں ربط و تسلسل اس لئے ہے کہ میں نے ہر بات دلیل کے زور پر کہی ہے۔ میرا ہمیشہ سے موقف یہ ہے کہ مارشل لاء اس ملک کے لئے خودکشی کے مترادف ہے اور یہ کہ جب تک اسلامی انقلاب نہیں آتا' مسلمہ جمہوری انداز میں انتخابات کا عمل جاری رہنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ اضافی بات اب میں زیادہ زور سے کہتا ہوں کہ الیکشن میں مذہب کے نعرے کا استعمال بالکل نہیں ہونا چاہئے الا آنکہ انتخابی عمل میں حصہ لینے والی سب مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ بحالات موجودہ الیکشن میں اسلام کے نام کا استعمال سیاست میں عدم استحکام پیدا کر رہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نئے انتخابات کی بات میں آج سے نہیں' بہت پہلے سے کر رہا ہوں کیونکہ اسلام سے غداری کرکے میرے نزدیک آئی جے آئی نے اپنا مینڈیٹ کھو دیا ہے جبکہ ۱۹۹۰ء کے انتخابی نتائج بھی مشکوک تھے جو ایک ایسی نگران حکومت کے تحت ہوئے تھے جس کی جانب داری اب کوئی راز نہیں رہی۔